قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۸ شمارہ: ۸

شعبان المعظم: ۱۴۴۶ھ - مارچ: ۲۰۲۵ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِسالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر/مُدیرمَسئُول

مولانا سیّد سُلیمان یوسُف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسُف بنوری

مُدیرمُعاوِن

مولانا مُحمّد اعجاز مصطفیٰ

نَاظِم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپی اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: + 92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

فلسطینی دفاع کار حماس، اسرائیل: امن معاہدہ	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیب حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ بنام حضرت بنوریؒ	۸	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
ملفوظات امامِ اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	۱۲	مولانا نور الرحمٰن
علم اصولِ حدیث کا پس منظر اور تاریخ - چند اہم گوشے	۱۴	مولانا محمد یاسر عبداللہ
غلط خبریں پھیلانے کی وبا!	۲۸	مفتی سید انور شاہ
اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے نقصانات	۳۲	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی ادارے	۳۹	ڈاکٹر ساجد خاکوانی
عالمِ اسلام اور استشراق	۴۳	مولوی شبیر ثاقب
عربی زبان وادب کے اصولِ تدریس وضوابط (قسط:۲)	۴۶	مولانا ارشاد احمد سالارزئی

یادِ رفتگان

استاذ الحدیث حضرت مولانا غلام محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ	۵۲	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ	۵۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت مولانا اللہ بخش ملکانوی رحمۃ اللہ علیہ	۵۶	〃 〃 〃
میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت	۵۷	مفتی عبدالستار حامد

دارالافتاء

پندرہویں شعبان کے روزے کا تحقیقی جائزہ	۵۸	ادارہ
شبِ براءت سے متعلق خرافات اور اُن کا حل	۶۰	

نقد ونظر

جدید فکری مسائل (مکمل ۶ حصے/جلدیں)	۶۳	ادارہ

فلسطینی دفاع کار حماس، اسرائیل: امن معاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

ایمان، اخلاص، اتحاد اور استقامت ایسے اَساسی اور بنیادی اصول واوصاف ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے میں کسی بھی قوم اور کسی بھی خطہ کی آزادی اور کامیابی وکامرانی جلد یا بدیر ضرور اُن کا مقدر بن جاتی ہے، چاہے حالات اس قوم اور خطہ کے موافق ہوں یا ناموافق۔

اہلِ فلسطین، اسرائیل کے غاصبانہ قبضے اور تسلط کے دن ہی سے جبر، ظلم اور فسطائیت کی چکی میں پستے آرہے ہیں۔ ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو فلسطینی دفاع کار حماس نے اپنے دفاع کا حق بھرپور استعمال کیا اور ایک مؤثر جوابی اقدام کیا، جس کے نتیجے میں اسرائیل کے نوے سے زیادہ فوجی اور غیر فوجی لوگوں کو اس لیے حماس نے یرغمال بنایا، تاکہ فلسطینی جن میں مرد، عورت اور بچے شامل ہیں، بغیر کسی قصور اور گناہ کے اسرائیل کی قید میں ہیں، اُن کو رہا کرایا جائے۔ بجائے اس کے کہ اسرائیل ۷/اکتوبر کے اس راست اقدام کے متصل بعد ہی اس مطالبہ کو مان لیتا، اُلٹا اس نے مظلوم فلسطینی عوام پر بم اور بارود کی آگ برسانا شروع کردی، جس میں محتاط اندازے کے مطابق سینتالیس ہزار سے زیادہ افراد شہید، ایک لاکھ سے زیادہ زخمی اور لاکھوں لوگ نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ غزہ کی پوری آبادی کے گھروں اور بلڈنگوں پر بمباری کرکے اور بارود برسا کر کھنڈرات میں تبدیل اور تباہ وبرباد کردیا، لیکن یہ تمام مصائب حماس کے مجاہدین اور عوام کے حوصلے اور عزم کو پست کرکے شکست نہیں دے سکے، وہ

دہشت گرد اسرائیل جو حماس کو ختم کرنے کی اور غزہ کو فتح کرنے کی باتیں کر رہا تھا، اس کو اپنے مذموم مقاصد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اسی حماس سے اُن کی شرائط پر مذاکرات اور معاہدہ کرنا پڑا جو غزہ کے مظلوم عوام کی استقامت اور لازوال قربانیوں کی عظیم فتح ہے۔

حالانکہ ایک وقت تھا کہ اسرائیل کے وزراء اور حکومتی عہدیداروں نے غزہ کو مکمل طور پر مٹانے، اس کے تمام باشندوں کو جلاوطن کرنے، اہلِ غزہ پر ایٹم بم گرانے، یہودیوں کو غزہ میں آباد کرنے جیسے اقدامات کی سرتوڑ کوشش کی، نیز غزہ میں فوجی حکومت قائم کرنے، غزہ کے کچھ قبائل اور خاندانوں کو مقامی انتظامیہ تشکیل دینے پر آمادہ کرنے کی ترغیب وتحریض، غزہ میں امدادی سامان کے ٹرکوں پر منظم حملے کرا کر اندرونی افراتفری اور انتشار پھیلانے کی لاحاصل سعی کی، شمالی غزہ کو فوجی زون قرار دینے اور باقی ماندہ آبادی کو جنوب کی طرف منتقل کرنے، اور ہر قسم کی انسانی امداد کی ترسیل روک کر انہیں بھوکا مارنے جیسے منصوبے بنائے گئے۔ اسرائیلی فوج نے غزہ میں عوامی سیکورٹی اداروں، داخلی سیکورٹی فورسز، ایمرجنسی کمیٹیوں اور پولیس کو بطور خاص ہدف بنایا، لیکن ''جسے اللہ رکھے، اُسے کون چکھے'' کے مصداق اسرائیل کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

اِدھر حماس نے ۷/ اکتوبر ۲۰۲۳ء کے حملے میں جو نتائج، مقاصد اور فوائد حاصل کیے، وہ درج ذیل ہیں:

❶: فلسطینی دفاع کار حماس نے اس حملہ سے یہ ثابت کیا کہ اسرائیل جو اپنے آپ کو ناقابلِ شکست گردانتا تھا، اسے اللہ تعالیٰ پر توکل، اعتماد، ایمانی قوت، صبر اور قربانی سے شکست دی جاسکتی ہے۔

❷: حماس نے دنیا کو پیغام دیا کہ ظلم کے خلاف ڈٹ جانے والے ہمیشہ سرخرو ہوتے ہیں اور ظالم رسوا وناکام رہتا ہے۔

❸: حماس نے اس حملے کے ذریعے دنیا بھر کے سامنے فلسطینی عوام پر ہونے والے جبر وظلم کو بے نقاب کیا اور دنیا کو بتایا کہ غزہ کے مظلوم عوام اپنے حقوق، اپنی سرزمین اور قبلہ اول سے دستبردار ہونے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

❹: حماس نے اسرائیل کے دفاعی نظام اور فوجی منصوبہ بندی کو ناکام کر کے پیغام دیا کہ حماس عملی میدان میں نہ صرف یہ کہ ایک مضبوط اور ناقابلِ شکست طاقت بن چکا ہے، بلکہ وہ کسی بھی وقت اسرائیل کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے۔

❺: حماس کے اس حملے سے عالمِ اسلام متحد ہوا، بلکہ دنیا بھر کو اہلِ غزہ کی مظلومیت کا احساس دلایا، جس سے عالمی برادری میں ہمدردی اور حمایت حاصل ہوئی، دنیا کے کئی ممالک اور عوام نے فلسطینی عوام کے حق

میں آواز بلند کی اور اسرائیل کی ظالمانہ پالیسیوں کی مذمت کی۔

❻: اسرائیل کا سب سے بڑا مقصد حماس کی مزاحمت کو مکمل طور پر ختم کرنا تھا، لیکن حماس پہلے سے زیادہ مضبوط اور منظم ہو کر اُبھری۔

❼: غزہ کے لوگ اپنی زمین اور آزادی کے لیے پہلے سے زیادہ پرعزم ہیں۔ اسرائیل نے پوری کوشش کی کہ دنیا کو اپنے حق میں کرے، لیکن اس کے ظلم اور جور و جفا نے اُسے عالمی سطح پر تنقید اور مذمت کا نشانہ بنایا۔ اسرائیل اب نہ صرف یہ کہ سیاسی بلکہ اخلاقی طور پر بھی شکست خوردہ بن گیا ہے۔

❽: اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے ۲۰۲۳ء میں جو کہا تھا کہ ہم حماس کو ختم کردیں گے، ۲۰۲۵ء میں وہی نیتن یاہو کہہ رہا ہے کہ ہم اس معاہدے کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم حماس کے جواب کے منتظر ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس جنگ میں کون جیتا اور کون ہارا!

دنیا بھر کے عوامی مظاہروں، اسرائیلی عوام کے اپنی ہی حکومت کے خلاف احتجاج اور عالمی برادری کے دباؤ کے نتیجے میں اقوامِ متحدہ اور امریکا نے مصر اور قطر کو شامل کر کے حماس اور اسرائیل کے مابین معاہدہ کی نہ صرف یہ کہ تجویز پیش کی، بلکہ اس معاہدے کے گارنٹر بھی بنے اور اس پر عمل درآمد بھی ہوا۔ یہ ابتدائی جنگ بندی معاہدہ ۴۲ دن پر مشتمل ہوگا، جس میں حماس نے درج ذیل شرائط عائد کیں کہ:

①: امدادی سامان کو غزہ میں داخل ہونے دیا جائے گا جو روزانہ ۶۰۰ گاڑیوں پر مشتمل ہوگا۔ ②: حماس فی الحال ۳۰/اسرائیلی آزاد کرے گا اور ہر ایک اسرائیلی کے آزاد کرنے پر اسرائیل ۵۰/فلسطینی آزاد کرے گا۔ ③: شمالی غزہ کے افراد بغیر کسی تلاشی اور بغیر کسی چیک پوسٹ پر رکاوٹ کے اپنے گھروں میں واپس آئیں گے۔ ④: اسرائیل غزہ سے مکمل انخلا کرے گا۔

حماس نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ: جنگ بندی معاہدے کے اعلان اور غزہ کی پٹی پر جارحیت پر جنگ بندی معاہدہ ہمارے عظیم فلسطینی عوام کی شاندار ثابت قدمی اور غزہ کی پٹی میں ۱۵/ماہ سے زائد عرصے سے جاری ہماری بہادرانہ مزاحمت کا ثمر ہے۔ غزہ پر جارحیت روکنے کا معاہدہ ہمارے عوام، ہماری مزاحمت، ہماری قوم اور دنیا کے آزاد لوگوں کے لیے ایک کامیابی ہے۔ یہ ہمارے لوگوں کی آزادی اور واپسی کے اہداف کو حاصل کرنے کے راستے پر دشمن کے ساتھ تصادم کا ایک اہم موڑ ہے۔ یہ معاہدہ غزہ کی پٹی میں ہمارے ثابت قدم اور صابر عوام کے تئیں ہماری ذمہ داری سے آیا ہے کہ وہ ان کے خلاف صیہونی جارحیت کو روکیں اور اس خونریزی، قتلِ عام اور تباہی کی جنگ کا خاتمہ کریں، جس کا انہیں نشانہ بنایا جارہا ہے۔ ہم غزہ کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرنے والے، ہمارے ساتھ کھڑے ہونے اور قبضے کو بے نقاب کرنے اور جارحیت کو روکنے

میں تعاون کرنے والے، عرب، اسلامی، بین الاقوامی، اور ثالث بھائیوں کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں، جنہوں نے اس معاہدے تک پہنچنے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔

القسام بریگیڈ کے ترجمان ابوعبیدہ نے اپنی ایک جاری کی گئی تقریر میں کہا کہ: ہمارے عوام کی عظیم قربانیاں اور خون رائیگاں نہیں جائے گا، ہمارے لوگوں نے ۱۷ ۴ دنوں میں اپنی آزادی اور مقدس مقامات کے لیے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔''طوفان الاقصیٰ'' غزہ کے مضافات سے شروع ہوا، لیکن اس نے خطے کا چہرہ بدل کر رکھ دیا اور اسرائیل کے ساتھ تنازع میں نئی مساواتیں متعارف کرائیں۔''طوفان الاقصیٰ'' نے نئے جنگی محاذ کھولے اور اسرائیل کو اس کی حمایت کے لیے بین الاقوامی افواج کا سہارا لینے پر مجبور کیا۔''طوفان الاقصیٰ'' نے دنیا کو پیغام دیا کہ (اسرائیل کا) یہ قبضہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے اور اس کے خطے پر بڑے اور بُرے اثرات مرتب ہوں گے۔ہم نے تمام مزاحمتی دھڑوں کے ساتھ غزہ کی پٹی میں ہر جگہ ایک صف کی طرح لڑا اور دشمن کو مہلک ضربیں لگائیں۔ ہمارے فوجی جنگ کے آخری لمحات تک بڑی بہادری اور حوصلے کے ساتھ لڑے اور ہم ایسے حالات میں لڑ رہے ہیں جو ناممکن نظر آتے ہیں۔ہمیں ایک غیر مساوی تصادم کا سامنا تھا، جنگی صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی اور جنگی اخلاقیات کے لحاظ سے بھی۔ جب ہم اپنے حملوں کا رخ صرف دشمن قوتوں پر کر رہے تھے، انہوں نے ہمارے لوگوں کے خلاف بربریت اور مظالم کے نئے گھناؤنے طریقوں کا ارتکاب کیا۔ اس جنگ کی عظمت اس کے قائدین کی شہداء کے قافلوں میں پیش رفت سے ظاہر ہوتی ہے، جن کی سربراہی ہنیہ، العروری اور سنوار کر رہے تھے۔ یہ مجرمانہ دشمن اس خطے میں لعنت کی جڑ ہے۔تمام کوششوں اور منصوبوں کو اس بات پر مرکوز ہونا چاہیے کہ اسے کیسے روکا جائے؟ اس ہستی کو خطے میں ضم کرنے کی تمام کوششوں کا مقابلہ بیداری کے سیلاب اور آزاد لوگوں کی مزاحمت سے کیا جائے گا۔آج مغربی کنارے میں ہمارے لوگوں پر ذمہ داری بڑھ رہی ہے اور بہادری اور استقامت میں غزہ کی روح کی بہن جینین کو خصوصی سلام۔اپنے عوام کے خلاف صیہونی جارحیت کو روکنے کے لیے ایک معاہدے تک پہنچنا، جارحیت کے آغاز ہی سے کئی مہینوں سے ہمارا ہدف رہا ہے۔

اس معاہدے کے نتیجے میں حماس نے تین یرغمالی عورتوں کو ریڈ کراس کے حوالے کیا اور دوسری طرف اسرائیل نے نوے قیدی فلسطینیوں کو آزاد کیا۔اس معاہدہ کے بعد کئی اسرائیلی وزراء نے استعفیٰ دے دیا اور اس معاہدہ کی توثیق کے وقت کئی صیہونی وزراء کو روتے ہوئے بھی دکھایا گیا، یہاں تک کہ ایک خبر یہ بھی آئی ہے کہ اسرائیل کے آرمی چیف نے حماس کے مقابلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا ہے۔ گویا اسرائیل کے لوگ بھی مان رہے ہیں کہ یہ معاہدہ ہماری شکست کے مترادف ہے، جیسا کہ اخباری

اطلاعات کے مطابق موساد سربراہ نے کہا کہ: میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نہایت ہی کڑوا گھونٹ ہے، مگر اسرائیل اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اب اسے پیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

بہر حال! پندرہ ماہ سے جاری جنگ میں وقفہ آ گیا۔ مستقبل میں بھی اللہ تعالیٰ ہمارے فلسطینی بھائیوں اور فلسطینی دفاع کار حماس کے مجاہدین کی حفاظت اور مدد و نصرت فرمائے۔ تمام عالم اسلام اس عظیم فتح اور اس انعامِ خداوندی پر شکرانہ کے نوافل ادا کرے اور اس معاہدہ کی تکمیل کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔ اہلِ ثروت احباب جس طرح پہلے اہلِ غزہ اور فلسطینی مظلوم بھائیوں کی مدد و نصرت کر رہے تھے، ان کی مسمار گھروں کو واپسی، تباہ شدہ غزہ کی بحالی، بے گھر اور بے سروسامان افراد کے لیے ضروریاتِ زندگی کی فراہمی ایک بنیادی اور اہم مرحلہ ہے، اس مرحلہ میں بھی پہلے سے زیادہ بھرپور کوشش کر کے اس جہاد میں عملی حصہ ڈال کر اُن کی مدد و نصرت اور تعاون میں اضافہ کیا جائے، جس سے یقیناً اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ دنیا بھر کے مظلومین کی مدد فرمائے، ان کی مشکلات کو دور فرمائے۔ اہلِ کشمیر کو بھی اللہ تعالیٰ آزادی نصیب فرمائے اور ہمارے ملک پاکستان کو بھی ہر اعتبار سے استحکام نصیب فرمائے، آمین بجاہ سید الأنبیاء و المرسلین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

باسمه الكريم

مَلاذي إن بعدتُّ فإن قلبي
علىٰ مرّ الزمانِ إليك داني
وإن بعدتْ ديارُك عن ديارِي
فشخصُك ليس يَبْرَحُ عن عياني(۱)

مخدومنا المعظّم دامت بركاتكم علينا!

بعد سلامِ مسنون عرض ہے کہ نامۂ مبارک ملے مدت گزر گئی، جواب میں الیوم وغدًا کرتا رہا، غالباً یہ چھٹا خط ہے جو لکھ رہا ہوں۔ خط لکھ کر پڑھنے لگتا تو پسند نہ آتا، پھاڑ کر پھینک دیتا۔ کل ایک طویل وعریض خط لکھ کر اسی لفافہ میں بند کر دیا، ایک دن رات پڑا رہا، آخر میں اس کا مضمون قابلِ اعتراض معلوم ہوا، اس کو نکال کر منسوخ کر دیا۔ اب بعد الفجر یہ چند سطریں پیشِ خدمت کر رہا ہوں، خدا کرے کوئی ٹھکانے کی بات لکھنے میں آجائے۔ دماغ وسواسی جیسا کام کرنے لگا ہے، ہر طرف فتنے اور شدائد ومصائب گھیرے ہوئے ہیں، مکائدِ نفس

(۱) اگر میں دور ہو جاؤں تو آپ میری پناہ گاہ ہیں؛ کیونکہ زمانے کے گزرتے ساتھ میرا دل آپ کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کا وطن میرے شہر سے دور سہی، لیکن آپ کی شخصیت میری نگاہوں سے کبھی بھی دور نہیں رہتی۔

اتنے ہیں کہ ان کی تو کوئی انتہا نہیں۔ تمام ملک میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ ان کی زیارت سے تشفی ہو سکے۔ حضرت مولانا عزیر گل مدظلہم اس کام کے نہیں ہیں، اس لیے پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ملاقات گرمیوں میں نصیب فرمائی، یا سفرِ حجازِ رمضان میں رفاقت کی نعمت سے نوازا تو مکافات ہو جائے گی، لیکن هیهات هیهات! (ان حالات میں!)

مولانا عبدالقدوس صاحب کا کیا ہوا؟ کام کے آدمی ہیں، کہیں معطّل زندگی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ زلزلہ سے متاثرین کی اعانتی رقم کا کیا ہوا؟ تین علماء ہیں ''پٹن'' کے، وہ خصوصی امداد کے قابل ہیں۔

قبلہ آغا جی (مولانا محمد زکریا بنوری) بھی ٹمٹماتے چراغ ہیں، ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے جیتے جی دنیا و مافیہا سے کٹ چکے ہیں، آپ کا وجود اُن کے لیے موجبِ اطمینان وسکون وراحت، اُن کا وجود آپ کے لیے باعثِ برکت وموجبِ درجاتِ عالیہ! خدا جانے یہ نقشہ کب تک چلتا رہے گا؟! ہر وقت یہ تصویر سامنے رہتی ہے، اللہ تعالیٰ یہ سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے کہ صرف دنیا میں یہ حضرات میرے جیسے کتے کی بھی قدر کرتے ہیں (کہ میں ان کے دَر کا ایک کتا ہوں، بلکہ اس سے بھی بدتر)۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، داڑھی تو سفید ہو گئی، مگر دل اب تک کالا ہی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رُوسیاہی سے بچائے، وَلَنِعْمَ مَنْ قَالَ:

یا رب! درِ خلق تکیہ گاہم نہ کُنی
محتاجِ گدا و بادشاہم نہ کُنی
ایں موئے سیاہ سفید کردم ز کرم
با موئے سفید رو سیاہم نہ کُنی[(۱)]

آپ نے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ بے ربط بے جوڑ باتیں ہیں، وقت آپ کا ضائع ہو رہا ہے، یا اللہ! تو رحم فرما۔

فقط فضل محمد عفي عنه

یوم الخمیس، ۱۲/ربیع الثانی

پس نوشت: برادرِ محترم محمد (بنوری) صاحب اور نور محمد حاجی صاحب سلام قبول فرمائیں۔

هو الزمانُ مَنَنتَ بالذي جمَعا
في كل يومٍ ترى من صرفهٖ عجبًا[(۲)]

(۱) اے رب! تُو مخلوق کے دَر کو میرا سہارا نہ بنانا، کسی گدا اور کسی بادشاہ کا مجھے محتاج نہ کرنا۔ تیرے کرم سے میں نے یہ سیاہ بال سفید کر لیے ہیں، اب ان سفید بالوں کے ساتھ مجھے رُوسیاہ نہ کرنا۔

(۲) یہ زمانہ ہی ہے جس نے آپ کو آپ کی جمع کردہ اشیاء سے نوازا ہے، زمانے کے اُلٹ پھیر کی بدولت ہی آپ ہر روز عجائبات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

زندگی در جمعِ سامان رفت حیف
صبح در خوابِ پریشان رفت حیف
دانۂ اشکی نیفشاندیم ما
عمر چون سیلِ بہاران رفت حیف
نورِ جان در ظلمت آبادِ بدن
چون چراغ زیرِ دامان رفت حیف(۱)

باسمه الكريم
فضل محمد عفي عنه
۱۹ر شعبان، یوم الخمیس
بحضور جناب قبلہ مولانا صاحب دامت برکاتکم!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دو مرتبہ مرضِ اسہال میں ابتلاء پیش آیا، ہر مرتبہ قوت ختم ہو جاتی، دوسری مرتبہ کے بعد تھوڑی سی قوت آنے پر اس حکیم صاحب کے پاس گیا، جس کا پتہ آنحضرت سے معلوم کیا تھا، حکیم صاحب سے واپسی پر بعض احباب کے مشورہ سے تبدیل آب وہوا کی غرض سے پہاڑ پر چلا گیا، تقریباً ایک ہفتہ وہاں گزارا، جاتے ہوئے جڑی بوٹی کا اثر پڑ گیا، وہاں متلی اور چکر میں ایسا مبتلا ہوا کہ ٹھہر نہ سکا، کل بمشکل گھر آ گیا ہوں۔ اب تک بدن ایسا مخمور ہے کہ چل پھر نہیں سکتا۔ میری غیر موجودگی میں بھام جی صاحب کا تار بھی آیا تھا۔ اس وقت پونے نو بجے ہیں، ۱۹ر شعبان ہے، یوم الخمیس ہے۔ یہ چند سطور بھی مشکل سے لکھ رہا ہوں، جیسے نیند کی غنودگی کی کیفیت غالب ہو ایسی حالت ہے۔ بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ واللہ! اس حالت میں کراچی آنے کے قابل نہیں ہوں، ہفتہ عشرہ بعد پھر رمضان آ رہا ہے، پھر آپ طویل سفر پر تشریف لے جانے والے ہیں، اس لیے میرے آنے کی آرزو خاک میں مل گئی، اللہ پاک کو یہی منظور ہوگا، جبکہ ہفتہ عشرہ کے لیے حاضری سے عجز کا یہ حال ہے تو مستقل طور پر آنا تو بالکل تصور سے بالاتر ہے، باقی تفصیل طبیعت بحال ہونے پر عرض کروں گا۔ فقط

برادرم محمد (بنوری) صاحب، اور بھام جی صاحب اور دیگر مدرّسین حضرات، حاجی شفیع اللہ صاحب،

---

(۱) افسوس کہ زندگی دنیوی ساز وسامان جمع کرنے میں بیت گئی، اور صبح خوابِ پریشان کی نذر ہو گئی افسوس!۔ افسوس کہ ہم نے ایک آنسو بھی نہ بہایا، اور زندگی بہار کے سیلاب کی طرح گزر گئی۔ روح کی روشنی، جسم کے ظلمت کدہ میں ایسے رہتی ہے جیسے چراغ زیرِ دامن چلا گیا ہو افسوس!

حاجی جمال الدین صاحب کو سلام کا ہدیہ قبول ہو۔

پس نوشت: یہاں کے تار سے خط جلدی پہنچتا ہے، اس لیے خط پر اکتفاء کرلیا گیا ہے۔

باسمه الكريم

على أنّني طُوِّقتُ منك بنعمةٍ
شهيدٍ بها بعضي لغيري على بعض(۱)

مخدومنا المعظّم، جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتُهم علينا إلى يوم الثناء!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ ملا تھا، مگر خیال تھا کہ پنڈی تشریف آوری پر حاضرِ خدمت ہوکر مشافہۃً کچھ عرض کروں گا، چنانچہ ۱۷ر تاریخ بروزِ پیر صبح ویگن نہ مل سکا تو بعد الظہر سوار ہوکر عین مغرب کے وقت پشاور پہنچا، سیدھا ''بالا ماڑی'' گیا، وہاں حالات کچھ اور سامنے آئے، إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ آپ کی زندگی کالُحمہ وسُدی (تانا بانا) ہی اَحزان ہیں۔ پتہ نہیں بہن فاطمہ سلّمہا اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا؟! ایسے حالات میں مزید کچھ لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی، اللہ پاک درجات بلند فرمائے۔ دوسری طرف آغا جی مدّظلہم العالی (مولانا محمد زکریا بنوری) کی علالت، بہرحال ''من أراد اللهُ به خيرًا يُصِب منه'' (اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرمالیں تو اُسے کسی آزمائش میں مبتلا کردیتے ہیں) کی حدیث سامنے آجاتی ہے تو خاموش رہنا پڑتا ہے۔ ...

باقی آغا جی مدظلہم اور بہن (فاطمہ بنوریہ) کے حالات، میں کسی سے معلوم کرکے اپنی تسلی کروں گا، فقط۔ ... میں ہر طرف مصائب میں گھرا ہوا ہوں، مگر آپ کے صدمہ سے خدا کی قسم! قلب کو جو تکلیف پہنچی ہے، دوسری تکلیفیں قلب کی ان گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، اور درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ فقط والسلام

فضل محمد غفر لهٗ

مینگورہ، سوات

۱۹ر مارچ مطابق ۶ر ربیع الاول، یوم الأربعاء

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

(۱) میں آپ کے ان احسانات میں گھرا ہوا ہوں، جن کی گواہی میرے ہی جسم کے حصے ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔

ملفوظات امامِ اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا نور الرحمٰن (استاذِ جامعہ)

''ماہ نامہ بینات کی اشاعتِ خاص ''امامِ اہلِ سنت مفتی احمد الرحمٰنؒ'' میں آپ کی شخصیت کا تعارف، تذکرہ اور علمی وفکری زندگی کے بے پناہ راہ نما اُصول ملتے ہیں، اسی اشاعتِ خاص سے باذوق اہلِ علم بخوبی استفادہ کررہے ہیں، ایسے ہی باذوق اہلِ علم میں سے جامعہ کے استاذ حضرت مولانا نور الرحمٰن صاحب زید علمہٗ نے اپنے استفادہ کے دوران یہ قیمتی ملفوظات جمع فرمائے ہیں، جو افادۂ عام کے لیے ماہ نامہ بینات کے قارئین کے مطالعہ کی نذر کیے جارہے ہیں۔'' (ادارہ)

①-فرمایا: ''ہمیشہ دعا مانگا کرو، ناممکن تو صرف آپ لوگوں کی سوچ میں ہے، اللہ پاک کے لیے تو کوئی چیز بھی ناممکن نہیں۔'' (اشاعتِ خاص بیادامامِ اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ: ۱۰۲۴)

②-فرمایا: ''جب اللہ رب العزت راضی ہونے لگتا ہے تو انسان کو اپنے عیوب نظر آنے لگتے ہیں اور یہ اللہ رب العزت کی رحمت کی پہلی نشانی ہوتی ہے اور پھر ان عیوب اور گناہوں سے وہ توبہ کرتا ہے، یہ اللہ رب العزت کی رحمت کی دوسری نشانی ہوتی ہے۔'' (صفحہ: ۱۰۴۸)

③-فرمایا: ''مایوس وہ ہوتا ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ پر یقین نہیں رکھتا اور محروم وہ ہوتا ہے جو اللہ پاک کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔'' (صفحہ: ۱۱۱۴)

④-فرمایا: ''اپنے حصے کا عمل کیے بغیر دعا پر بھروسہ کرنا حماقت ہے اور اپنی محنت پر بھروسہ کر کے دعا سے گریز کرنا تکبر ہے۔ انسان بھی کتنا عجیب ہے، دعا کے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت قریب ہیں اور گناہ کے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت دور ہیں۔'' (صفحہ: ۱۱۱۸)

⑤-فرمایا: ''پریشانی سے بچنے کا ایک ہی طریقۂ علاج ہے کہ انسان اپنی زندگی اپنے خالق کی مرضی کے مطابق گزارے۔'' (صفحہ: ۱۲۲۲)

⑥-فرمایا: ''عزیزو! صورت بغیر سیرت کے ایسا پھول ہے جس پر کانٹے بہت زیادہ ہوں اور خوشبو بالکل نہ ہو۔'' (صفحہ:۱۱۷۱)

⑦-فرمایا: ''اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ ناکارہ ہاتھ ہے تو اس کو چاہیے کہ صاحبِ علم وعمل اور صاحبِ قلب کے پاس بیٹھے، وہ گوہرِ نایاب بن جائے گا۔'' (صفحہ:۱۰۳۱)

⑧-فرمایا: ''اللہ پاک سے مانگنے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ اپنے جذبات کو الفاظ کا رنگ نہ بھی دے سکیں، تب بھی وہ ذات آپ کے جذبات واحساسات کو آپ سے بہتر جانتا ہے۔'' (صفحہ:۱۰۲۱)

⑨-فرمایا: ''جو تم سے نہیں ہو رہا اسے اللہ پاک کے حوالے کردو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، اللہ پاک اسی کو وسیلہ بنادے گا جو تمہاری راہ میں رکاوٹ ہے۔'' (صفحہ:۹۶۳)

⑩-فرمایا: ''کسی کے ہاں مہمان بن کر جاؤ تو ایسے گویا کہ نابینا ہو اور وہاں سے نکلو تو ایسے گویا تم گونگے ہو۔'' (صفحہ:۹۴۶)

⑪-فرمایا: ''جب تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آجاؤ اور رزق کا کوئی راستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ تعالیٰ سے تجارت کرلیا کرو۔'' (صفحہ:۹۴۷)

⑫-فرمایا: ''میاں! اپنی زبان کی حفاظت کرنا؛ کیوں کہ یہی تمہاری عزت و ذلت کی ذمہ دار ہے۔'' (صفحہ:۹۴۸)

⑬-فرمایا: ''گزشتہ نعمتوں پر شکر کرنا آئندہ نعمتوں کا سبب بنتا ہے۔'' (صفحہ:۹۴۸)

⑭-فرمایا: ''اللہ سے محبت کرو، وہ آزمائشیں ضرور دیتا ہے، مگر آزمائشوں میں بھی تنہا نہیں چھوڑتا۔'' (صفحہ:۹۴۸)

⑮-فرمایا: ''کسی کا راز تلاش مت کرو اور اگر نظر آجائے تو فاش مت کرو۔'' (صفحہ:۹۴۹)

⑯-فرمایا: ''کردار ہی ایک ایسی کتاب ہے جسے اندھے اور جاہل بھی پوری طرح پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔'' (صفحہ:۹۴۹)

⑰-اعلیٰ حکومتی عہدے داروں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''میرا دین بلاضرورت پانی بہانے سے روکتا ہے، کسی بے گناہ کے خون بہانے کو کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟'' (صفحہ:۹۴۹)

⑱-ایک صاحب نے کسی دوسرے شخص کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ: ''میاں! حقیقت تو یہ ہے کہ عمل صرف عمل سے پھیلتا ہے، باتوں سے نہیں، آپ صرف باتیں کرتے ہو، جب کہ وہ کام کرتے ہیں۔'' (صفحہ:۹۵۰)

⑲-فرمایا: ''کوئی آئینہ اس کی اتنی اچھی تصویر نہیں دکھا سکتا جتنی کہ اس کی گفتگو۔'' (صفحہ:۹۵۰)

علمِ اصولِ حدیث کا پس منظر اور تاریخ

ترجمہ وتدوین: مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

چند اہم گوشے!

تمہید

ڈاکٹر عصام عید وحفظہ اللہ، حلب (شام) کے محقّق عالم اور عالمِ اسلام کے نامور محدّث ڈاکٹر نور الدین عتر رحمہ اللہ کے شاگردِ خاص ہیں۔ ''دمشق یونی ورسٹی'' میں ''کلیہ شریعہ'' کے ''شعبہ علومِ قرآن وسنت'' سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اس دوران ڈاکٹر نور الدین عتر کی زیرِ نگرانی لکھا گیا ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''منهج قبول الأخبار عند المحدثين'' کے نام سے دو جلدوں میں دار المقتبس (بیروت، لبنان) سے شائع ہو چکا ہے۔ بعد ازاں کلیہ شریعہ، دمشق یونی ورسٹی میں ہی لیکچرار رہے، اور اب وینڈر بلٹ یونیورسٹی (امریکہ) میں استاذ ہیں۔ موصوف کی تحقیقی کاوشوں میں سے ''منهج قبول الأخبار عند المحدثين'' اور ''نشأة علم المصطلح والحدّ الفاصل بين المتقدّمين والمتأخرين'' علومِ حدیث میں معروف ہیں۔ ان کے علاوہ بھی عربی اور انگریزی میں بہت سے تحقیقی مقالات قلم بند کر چکے ہیں۔

۲۰۱۷ء میں عرب دنیا کے معروف علمی، تحقیقی وطباعتی ادارے مركز نماء للبحوث والدراسات (بیروت، لبنان) سے ''الدرس الحديثي المعاصر'' کے نام سے متعدد مقالات پر مشتمل ایک کتاب شائع ہوئی تھی، جس میں سعودی عرب، مصر، مغرب، شام اور ہندوستان میں تدریسِ حدیث کے مناہج کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ شام کے تدریسی منہج کے متعلق مقالہ ڈاکٹر عصام عید وحفظہ اللہ کا تحریر کردہ ہے، اور اس مقالہ کے اصل موضوع سے قبل تمہیدی مباحث موصوف کے مطالعہ وتحقیق کا نچوڑ ہیں اور علومِ حدیث کے طلبہ کے لیے نہایت مفید اور کئی جہتیں واضح کرتے ہیں۔ افادۂ عام کی غرض سے ہلکی پھلکی ترمیم واضافے کے ساتھ مقالہ کے اس حصے کی ترجمانی کی گئی ہے، اُمید ہے علومِ حدیث کے طلبہ کرام اور دیگر اہلِ علم اسے مفید پائیں گے۔ (مترجم)

تاریخِ علمِ مصطلح کے مراحل

علمِ مصطلح الحدیث اور تاریخِ علمِ مصطلح کے کئی محقّقین کے مطابق علمِ روایتِ حدیث وعلمِ درایتِ حدیث کی تاریخ متعدد تاریخی مراحل اور ادوار میں تقسیم ہے۔ تاریخِ علمِ حدیث کے متعلق اصطلاحی بنیادوں کے تناظر میں شاید دو اُمور کے درمیان امتیاز مناسب ہوگا:

❶ - دور (مخصوص زمانہ) کی اصطلاح، جو کئی محقّقین کے پیشِ نظر ہے، اور اس کا مقصد مختلف حیثیتوں سے علمِ مصطلح کی تاریخی تقسیم ہے۔

❷ - مرحلہ کی اصطلاح، جس کا مفہوم وہ منہجی حیثیت ہے، جس کے ذریعے علمِ مصطلح کے مباحث کو اِس علم کی تاریخ کے لحاظ سے حل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

محقّق (مقالہ نگار) کی نگاہ میں علمِ مصطلح کی تاریخ تین مراحل میں تقسیم ہے: مرحلہ متقدّمین، مرحلہ متاخّرین، اور مرحلہ معاصرین۔

مرحلہ متقدّمین اور اس سے متعلق تقسیمِ ادوار

متقدّمین کا مرحلہ، روایتِ حدیث کے آغاز یعنی عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے شروع ہوتا ہے، اور تیسری صدی ہجری [1] کی ابتدا میں ختم ہوتا ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس مرحلہ کو بھی اس دور میں پیش آمدہ احوال کی تفصیلات کے لحاظ سے تاریخی ادوار میں تقسیم کیا ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر نور الدین عتر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرحلے کو تین تاریخی ادوار میں تقسیم کیا ہے:

① - نشوونما کا ابتدائی دور: عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہلی صدی ہجری کی انتہا تک۔

② - تدریجی تکمیل کا دور: دوسری صدی ہجری کے آغاز سے تیسری صدی کی ابتدا تک۔

③ - بکھرے علومِ حدیث کا دورِ تدوین: تیسری صدی ہجری کی ابتدا سے چوتھی صدی کے نصف تک۔ [2]

ڈاکٹر مصطفی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس (پہلے) مرحلے کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے:

① - دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم۔

② - تابعینؒ سے شروع اور تقریباً چوتھی صدی کے نصف تک۔ [3]

ڈاکٹر حاتم عارف عونی حفظہ اللہ نے (اس مرحلے کو) پانچ تاریخی ادوار میں تقسیم کیا ہے:

① - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کی شہادت (سنہ ۳۵ھ) تک۔

② - شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثریت کی رحلت (یعنی تقریباً سنہ ۸۰ھ) تک۔

③ - عہدِ تابعینؒ، جو لگ بھگ ۸۰ھ سے شروع ہوتا ہے، اور اکثر تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی وفات (یعنی ۱۴۰ھ) پر ختم ہوتا ہے۔

④ - عہدِ اَتباعِ تابعینؒ، یہ دور سنہ ۱۴۰ھ سے شروع ہوتا اور سنہ ۲۰۰ھ پر ختم ہوتا ہے۔

⑤ - تیسری صدی ہجری۔ (۴)

مذکورہ تقسیموں کا تجزیہ

بلاشبہ تقسیمِ ادوار کا یہ اختلاف، اعتباری ہے؛ کیونکہ اس کی بنیاد گوناگوں حیثیتیں اور اہلِ علم کے نقطہ ہائے نظر کا اختلاف ہے۔ ان میں سے کوئی تقسیم، علمِ مصطلح میں تصنیف کے اعتبار سے ہے، کوئی اس علم کے طریقۂ تعبیر کے پہلو سے ہے، (۵) کوئی روایت وتلقّی کے نقطۂ نظر کی بنیاد پر ہے، (۶) اور کوئی تقسیم، احادیث واخبار سے تعامل میں تشدّد اور تساہل کے اعتبار سے ہے۔ (۷)

لیکن مرحلۂ متقدّمین کے ضمن میں ہونے کی بنا پر یہ تمام تاریخی ادوار یکجا ہوجاتے ہیں، کیونکہ یہ مرحلہ ابتدائی تین صدیوں (یعنی عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم، عہدِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم، عہدِ اتباعِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم، عہدِ متقدّمین ائمہ فقہ وحدیث) پر مشتمل ہے۔ اسی مرحلے میں پہلی صدی ہجری کے آخر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۰۱ھ) کی جانب سے ذخیرۂ سنت کی سرکاری تدوین کا آغاز ہوا۔ (۸)

مرحلۂ متقدّمین کی خصوصیات

یہ مرحلہ چند خصوصیات کا حامل ہے:

① - سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس مرحلے میں نظریۂ اسناد کا ظہور ہوا، جس کی کڑیاں دھیرے دھیرے پھیلتی گئیں؛ کیونکہ روایتِ حدیث کا آغاز مصدرِ خبر (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور تابعینؒ) سے زبانی حصول سے ہوا، پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ حلقے بڑھتے گئے، اور سندیں شاخ در شاخ پھیلتی گئیں، اور تیسری صدی ہجری کی انتہا تک سندوں کی کڑیاں پانچ، چھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگئیں۔

② - سند کے مطالبے سے راویوں کی تحقیق نے جنم لیا، اور عدالت وجرح کا نظریہ وجود میں آیا، پھر اسی سے راویوں اور ان کی مرویات کے درمیان موازنے کا رجحان پیدا ہوا، متابعات کی تلاش ہونے لگی، ایک ہی حدیث کو راویوں کی جماعت سے سننے کی جستجو ہوئی، غریب حدیث کو ناپسند کیا جانے لگا، اور لوگوں

کے درمیان متعارف احادیث بیان کرنے کی حرص ہونے لگی۔

③ - اسی مرحلے میں علمِ علل کا ظہور ہوا، یہ علم، روایت واسناد کے آغاز کے ساتھ ہی ایک نظریہ کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ (۹)

④ - عمومی طور پر اس مرحلے میں مختلف جہتوں سے متعلق تصانیف کا مجموعہ سامنے آیا، جو کسی ایک عنوان یا مقصد کے تحت نہیں سمٹ سکتیں، ان میں سے بعض کسی کتاب کا مقدمہ ہیں، کسی میں خاص موضوع سے متعلق تحقیق ہے، کوئی متعین منہج کے متعلق توضیحی رسالہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور بعض میں ایسی احادیث کو یکجا کیا گیا ہے جن کے ضمن میں کسی خاص منہج اور اس کے اِثبات کے معیارات کی پہچان ہوتی ہے۔ (۱۰)

مرحلۂ متاخرین

یہ مرحلہ تقریباً چوتھی صدی ہجری کے آغاز سے شروع ہوتا اور چودھویں صدی ہجری کی ابتدا کے لگ بھگ ختم ہوتا ہے۔ اہلِ علم نے جیسے پچھلے مرحلے (مرحلۂ متقدّمین) کو تاریخی ادوار میں تقسیم کیا ہے، یہ مرحلہ بھی اُس تاریخی تقسیم کے تابع ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر نور الدین عتر رحمہ اللہ نے اسے حسبِ ذیل تین تاریخی ادوار میں تقسیم کیا ہے:

❶ - جامع تالیفات اور فنِ علومِ حدیث کی تدوین کے آغاز کا دور، جو چوتھی صدی ہجری کے نصف سے ساتویں صدی کے آغاز تک جاری رہا۔

❷ - فنِ علوم حدیث کی تدوین میں پختگی اور کمال کا دور، یہ دور ساتویں سے دسویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔

❸ - دورِ جمود، جو دسویں صدی سے چودھویں صدی کے آغاز تک جاری رہا۔ (۱۱)

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ اس پورے دورانیے کو ایک ہی دور قرار دیا ہے، جو تقریباً چوتھی صدی کے نصف سے شروع ہوتا ہے۔ (۱۲)

ڈاکٹر حاتم عونی حفظہ اللہ نے اس مرحلے کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے:

① - چوتھی صدی ہجری کا دور۔

② - پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کا دور۔ (۱۳)

ان تمام ادوار کو ''مرحلۂ متاخرین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مرحلہ، قواعد کی تدوین اور نقدِ احادیث سے متعلق قوانین وقواعد کے ظہور کے اعتبار سے نمایاں ہے، اور ان امور کے وسائل درج ذیل ہیں:

① - ''مرحلۂ متقدّمین'' میں اہلِ علم کے کاموں کا تتبُّع۔

② - ان کے احوالِ زندگی کی جستجو۔
③ - نقدِ حدیث کے متعلق ان کے طریقہ کار کی تحقیق۔

مرحلۂ متاخرین کے امتیازات

❶ - یہ مرحلہ دو قسم کی تصانیف کے اعتبار سے ممتاز ہے:

نوعِ اول: تحقیق وتمییز کے آغاز کے موافق احادیث ومرویّات کو یکجا کرتی کتب۔ یہ عمل پچھلے مرحلے (مرحلہ متقدّمین) میں کیے گئے کاموں کے تکملے اور ان کی بنیاد پر بعض دیگر کاموں کے لیے تاسیس کی حیثیت رکھتا ہے، تاہم بعض حدیثی کتب ان کے علاوہ بھی ہیں۔

نوعِ دوم: قواعد اور سلف کے ایسے احوال کی تدوین، جو ان کے منہجِ نقدِ حدیث سے متعلق ہوں۔ اس مرحلے میں قواعد کی تدوین، اسانید کے ساتھ روایت ہوتی تھی، اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہا، یہاں تک کہ علمِ مصطلح، ہمارے پیشِ نظر قواعد کی صورت میں بغیر سندوں کے سامنے آیا، جیسے حافظ ابن صلاح اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ کی کتابوں میں دکھائی دیتا ہے۔

❷ - اس مرحلے کا ایک اہم امتیاز ''تصحیح وتضعیف کے باب میں اجتہاد کا دروازہ بند کرنا'' ہے۔ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''علوم الحديث'' (مقدّمة ابن الصلاح) (۱۴) میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کرتے ہوئے اس جانب اشارہ کیا، اور خود حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس طرف واضح میلان ہے، (۱۵) لیکن ان کے بعد بیشتر اہلِ علم نے، اور خاص طور پر ''مقدمة ابن الصلاح'' کے شارحین، مُعلّقین، مُنکّتین (أصحابُ النِّکَت) اور ناظمین (مقدّمة ابن الصلاح کو نظمانے والے اہلِ علم) نے اس موقف میں حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔ (۱۶)

بہرکیف! اس مرحلے میں گوناگوں تحقیقات ظہور پذیر ہوئیں، ان میں سے بعض میں باسند اخبار کی صورت میں قواعد کا ذکر ہے، اور بعض میں بلاسند صرف قواعد کا تذکرہ ہے۔ اور بلاسند قواعد میں بھی کہیں محض حدیثی اصطلاحات وانواع کا تذکرہ ہے، اور کسی کتاب میں ایک مستقل منہج اور نظام کا بیان ہے جو ان اصطلاحات کے باہمی ربط وتعلّق کو مستحکم صورت میں پیش کرتا ہے۔

مرحلۂ معاصرین

یہ مرحلہ تقریباً چودھویں صدی ہجری کے آغاز سے شروع ہوا، اور دورِ حاضر تک جاری ہے۔ ایک تاریخی دور ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر اس مرحلے کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے اس مرحلے کا اس حیثیت سے ذکر کیا ہے کہ یہ مرحلہ، عہدِ حاضر میں (علومِ حدیث کے تعلق سے) بیداری اور

تیقُّظ کی نئی لہر کا نمائندہ ہے، اور دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی کے آغاز تک جاری دورِ جمود کے مقابلے میں ہے۔ تاہم ڈاکٹر اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مرحلہ، چوتھی صدی کے نصف سے جاری تیسرے دور کا ہی تسلسل ہے، جبکہ ڈاکٹر عونی حفظہ اللہ کی رائے میں یہ پانچویں صدی سے شروع ساتویں دور کا حصہ ہے۔

مرحلۂ معاصرین کو مستقل طور پر ذکر کرنے کا سبب

اس مرحلے کو مستقل طور پر ذکر کرنے اور ''مرحلۂ متاخرین'' کا تسلسل قرار نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس مرحلے میں منہج کی ساخت میں بہت سے نئے افکار سامنے آئے ہیں، جن کے نتیجے میں متعدد تالیفات مرتب ہوئیں، یہ کتابیں علمِ حدیث کی تاریخ میں اس مرحلے کے خصوصی تذکرے کی متقاضی ہیں۔ اس کے برخلاف ''مرحلۂ متاخرین'' میں علمی وسعت تو ہوئی، لیکن نمایاں طور پر اس کی بنیاد (مرحلۂ متقدمین میں لکھی گئی) سابقہ کتابیں تھیں، لہٰذا ''مرحلۂ معاصرین'' واضح حدود پر مشتمل جدا مرحلہ ہے، جو اگرچہ علمی ساخت کے لحاظ سے سابقہ ذخیرہ کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے، لیکن اسلوبِ عرض (و بیانِ مباحث) کے اعتبار سے یہ مرحلہ سابقہ مراحل سے مختلف ہے۔

مرحلۂ معاصرین کی خصوصیات اور اہم مباحث

اس مرحلے کی جداگانہ خصوصیات کو پیشِ نظر رکھنے سے اس کی انفرادیت واضح ہوتی ہے؛ کیونکہ اس دور میں متعدّد نئے مباحث وجود میں آئے ہیں، مثلاً:

① - ذخیرۂ سنت کی جانب مغرب کی ''خصوصی توجہات'' کی بنا پر علمِ مصطلح کے مباحث کے متعلق استشراقی نظریات کا ظہور۔

② - علمِ مصطلح کے متعلق مغربی افکار کا ناقدانہ تجزیہ، ان کی تردید اور ان کے تار و پود بکھیرنا۔

③ - نقدِ متن (حدیث) کی بحث۔

اس (تیسرے) مسئلے کا پہلے مسئلہ سے بلا واسطہ ربط ہے؛ کیونکہ ان دونوں بحثوں کے نتیجے میں علمِ مصطلح کے متعلق جدید مباحث سامنے آئے، یا (بالفاظِ دیگر) جدید اسلوب میں قدیم مباحث کی تحقیق کا رجحان پیدا ہوا۔

④ - انسانی علوم کے مناہج کا قضیہ، اور دینی نصوص کے تجزیہ (اثبات اور تاویل) میں ان کا کردار۔

عالمِ اسلام عمومی طور پر عصرِ حاضر میں جس مرحلے سے گزر رہا ہے، اجمالی طور پر اس کی اہم خصوصیات یہی ہیں۔

تحریکِ استشراق کا ظہور اور بحث وتحقیق کا علمی پہلو

چودھویں صدی کے آغاز سے ہی عالمِ اسلام کی تاریخ میں کئی بڑے انقلابات آئے، ان میں سب سے اہم واقعہ خلافتِ عثمانیہ کا سقوط، اس کے نتیجے میں نئے عرب ممالک کا قیام، اور پھر اس کے پہلو بہ پہلو مشرقِ ناتواں کی جانب مغرب کی ''گہری توجہات'' ہیں؛ کیونکہ مغرب تین صدیوں سے زمانے کے ساتھ ایک دشوار جنگ لڑ رہا تھا، سترہویں صدی عیسوی میں (مغرب کے) تابناک دور کا آغاز ہوا، تشکیکی ذہنیت کی شروعات ہوئیں، جس کی بنیاد خاص طور پر (فرانسیسی فلسفی اور ریاضی دان) ڈیکارٹ (Rene Descartes) [۱۵۹۶ء-۱۶۵۰ء] نے رکھی تھی، اور تشکیکی سوالات کے نتیجے میں سابقہ دینی، معاشرتی اور سیاسی نظام پر نظرِ ثانی کی جانے لگی، اور اسی بنا پر منہج کا قضیہ سامنے آیا اور جدید سائنسی علوم کی بنیاد پڑی، نظریۂ انفرادیت واجتماعیت پر مبنی فلسفے ظہور پذیر ہوئے، اور ان کی کُوکھ سے متعدد نظریات نے جنم لیا، کارل پوپر (Karl Popper) [۱۹۰۲ء-۱۹۹۴ء] اور فرانسیس بیکن (Francis Bacon) [۱۵۶۱ء-۱۶۲۶ء] نے بحثِ استقراء اور سائنسی طریقہ کار کی ساخت کا مسئلہ اُبھارا، اور ادبی تنقید کے اسالیب کے میدان میں نظریۂ ساختیات (Structuralism) اور نظریہ ردِّ تشکیلیت (Deconstruction) وجود میں آئے، ان نظریات کی نسبت سے خاص طور پر (فرانسیسی فلسفیوں) رولان بارتھس (Roland Barthes) [۱۹۱۵ء-۱۹۸۰ء] اور ژاک دریدا (Jacques Derrida) [۱۹۳۰ء-۲۰۰۴ء] کی شہرت ہوئی، جدید انسانی فلسفہ کے میدان میں مغربی فلاسفہ: نٹشے (Friedrich Nietzsche) [۱۸۴۴ء-۱۹۰۰ء] وغیرہ نے نظریۂ جدیدیت ومابعد جدیدیت پیش کیا۔

جدید مغربی واستشراقی نظریات کے نتائج

مذکورہ نظریات اور مباحث کی بنا پر ایک نظریۂ تعلیم وجود میں آیا، جس میں تشکیکی سوالات، تنقیدی اسلوب اور معروضیت پر مبنی آزادانہ تحقیق ہو، اور پیشگی معلومات کی قید سے جاں خلاصی ہو، بلکہ کسی نص یا مطالعہ کردہ مواد پر ایمان سے بھی ہاتھ دھو لیے جائیں۔ (أعاذنا الله منه)

اس نقطۂ نظر نے اہلِ مغرب کے نزدیک شخصی آزادی سے ایمانی مباحث تک ہر عقیدہ ونظریہ کو موضوعِ بحث بنا دیا، خاص طور پر دینی نص (قرآن وحدیث) پر اکیڈمک اسلوب میں تحقیق کی جانے لگی۔ تحریکِ استشراق اسی ''تحقیقی جدوجہد'' کا ایک حصہ ہے۔ مستشرقین نے منہج کے مسئلہ کی وجہ سے اس کی بنیاد ڈالی، اور اسی اساس پر مستشرقین، مشرق (یعنی اہلِ مشرق اور مشرقی علوم، جن میں علومِ اسلامیہ بھی شامل ہیں)

کی تحقیق کی جانب متوجہ ہوئے، کبھی علمی اور معروضی وسائل کے ذریعے (ایسا شاذ ونادر ہی ہوا)، کبھی سابقہ نظریات کے بغیر جدید ذرائع کے واسطے سے (اکثر وبیشتر یہی طرزِ عمل رہا)، اور کبھی ادبی وفنی ہتھیاروں کے ذریعے ایک خیالی اور خوابوں کی دنیا کی صورت میں مشرق کی تصویر کشی کرتے ہوئے (دادِ تحقیق دی جانے لگی)۔

مغربی مستشرقین کے ان کارناموں کے مقابلے کے لیے عالمِ اسلام کے اہلِ علم تحریکِ استشراق کے اغراض ومقاصد، ان کی فکری بنیادوں، اور دوررس مقاصد کے ادراک کے لیے کمر بستہ ہوئے، علماء اسلام کی بعض تحقیقات دفاعی اور معذرت خواہانہ تھیں (جیسے بیشتر مستشرقین کا بھی یہی حال ہے)، جن میں (مستشرقین کے) شبہات کا تفصیلی جواب دیا گیا، لیکن مغربی منہج پر تنقید نہیں کی گئی، بعض تحقیقات معروضی ہیں (مستشرقین میں بھی بہت کم ایسے ہیں)، اور بعض گہری اور بعض آسان وسادہ اسلوب میں ہیں۔ (۱۷)

علومِ حدیث پر تحریکِ استشراق کے اثرات

یہاں یہ نکتہ ذکر کرنا اہم ہوگا کہ تحریکِ استشراق اس علم (علمِ حدیث) کے ڈھانچے میں ایک ٹھوس تبدیلی کا باعث بنی ہے، اور اس تبدیلی کا آغاز چودھویں صدی ہجری کی ابتدا سے ہوا، وہ یہ کہ علمِ مصطلح سے متعلق کئی کتابوں میں استشراق کے موضوع کو اہمیت دی جانے لگی، نتیجتاً دورِ حاضر میں دو رُجحانات سامنے آئے ہیں:

① - مستشرقین کی کتابوں کا تجزیہ وتنقید۔

② - (بعض) مسلمان اہلِ علم کے علمی کاموں میں جدید مغربی یونی ورسٹیوں میں رائج منہج سے بالواسطہ تأثر۔ یہ نکتہ اگلے صفحات میں واضح ہوگا۔

''منہج'' کی اصطلاح کا ظہور

معاصر کتب میں لفظِ ''منہج'' کا مفہوم دو انداز سے استعمال ہوا ہے:

پہلا انداز: متعین اسلوب کے مطابق (قدیم مباحث کی) دوبارہ ترتیب اور تنظیم۔

دوسرا انداز: کسی منہجی بحث اور مسئلے پر نظرِ ثانی۔

ملاحظہ کیجیے کہ دورِ حاضر میں معاصرین کے کاموں کے ایک مجموعے میں منہج کے مسئلہ سے اعتنا کیا گیا ہے، خواہ ترتیب کا اعادہ ہو یا (کسی بحث پر) نظرِ ثانی۔ اس سے بڑھ کر بعض معاصرین نے علمِ مصطلح سے متعلق کتابوں کے عنوان میں بھی لفظِ ''منہج'' ذکر کیا ہے، جیسے: ''منهج النقد'' ڈاکٹر نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ، ''منهج النقد عند المحدّثين'' ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، ''المنهج الحديث في علوم الحديث''

ڈاکٹر محمد محمد سماحی رحمۃ اللہ علیہ، بعد ازاں انہی علماء کی راہ پر گامزن اہلِ علم، جیسے: ڈاکٹر حاتم عونی حفظہ اللہ کی کتاب ''المنهج المقترح''، اور راقمِ سطور کی کتاب ''منهج قبول الأخبار عند المحدّثين.''

''نقدِ متن'' کی بحث

علمِ حدیث کی طرح ''نقدِ متن'' کا قضیہ بھی قدیم ہے، لیکن دورِ حاضر میں اور خاص طور پر چودھویں صدی ہجری کے نصف کے بعد یہ قضیہ نئی صورتوں میں سامنے آیا ہے۔ ''نقدِ متن'' کا مسئلہ دو صورتوں میں جلوہ گر ہوا ہے:

① - استشراقی نقطۂ نظر کی تنقید کی صورت میں۔

② - ''نقدِ متن'' کے مفہوم کی بنیادی صورت میں۔

پہلی صورت میں یہ بحث، اہلِ علم کی ان علمی تنقیدوں کے ضمن میں آئی ہے جو (''نقدِ متن'' کے) استشراقی مفہوم اور محدثین کے ہاں ''نقدِ متن'' کے تعلق سے استشراقی موقف کے خلاف لکھی گئی ہیں، جیسے: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي''، ڈاکٹر نور الدین عتر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''منهج النقد''، اور ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں ''منهج النقد عند المحدّثين'' اور ''دراسات في الحديث النبوي'' وغیرہ۔

دوسری صورت میں بعض تحقیقات کی بنیاد پڑی، جن میں ''نقدِ متن'' کے تناظر میں قابلِ اتباع طریقہ واضح کیا گیا ہے۔ (۱۸)

اس انتہا درجہ اہتمام کے دو اسباب ہیں: داخلی اور خارجی۔ دوسرا سبب پہلے سے زیادہ مؤثر ہے؛ کیونکہ خارجی سبب، علمِ اصولِ حدیث پر استشراقی تنقید اور محدثین کے متعلق ان کی تنقید (کہ انہوں نے سندوں کی تحقیق کی، لیکن متون کی تحقیق کا اہتمام نہیں کیا) کے گرد گھومتا ہے۔ جبکہ داخلی سبب یہ ہے کہ بہت سے طلبۂ علم کی جانب سے علمِ مصطلح کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے ہم آہنگ کرنے کا کافی اہتمام دکھائی دیتا ہے، اس کے نتیجے میں بہتیری مشکل احادیثِ نبویہ کی تحقیق کی گئی، اور انہیں محض دورِ حاضر کے تقاضوں کے مخالف ہونے کی بنا پر ضعیف یا مردود قرار دیا گیا۔

مرحلۂ معاصرین میں لکھی گئی چند اہم کتب

معاصر مرحلے میں علمِ مصطلح کے متعلق بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے بیشتر کتب اس علم کی تسہیل اور طلبۂ علم کے سامنے آسان صورت میں پیش کرنے سے متعلق ہیں۔ تصانیف کا ایک مجموعہ، صورت یا مضمون یا دونوں کے اعتبار سے ممتاز ہے۔ ان تصانیف میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

①-''قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث''شیخ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ۔

②-''توجيه النظر إلى أصول الأثر''شیخ طاہر جزائری رحمۃ اللہ علیہ۔

③-''قواعد في علوم الحديث''محدث ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

④-''السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي''ڈاکٹر مصطفی سباعی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑤-''منهج النقد''ڈاکٹر نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ۔

⑥-''منهج النقد عند المحدّثين- نشأته وتاريخه''ڈاکٹر مصطفی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑦-''المنهج المقترح لفهم المصطلح- دراسة تأريخية تأصيلية لمصطلح الحديث''ڈاکٹر حاتم عونی حفظہ اللہ۔(۱۹)

⑧-''علوم الحديث في ضوء تطبيقات المحدّثين''ڈاکٹر حمزہ ملیباری حفظہ اللہ۔

ان کتابوں کے سرسری جائزہ سے مرحلۂ معاصرین کو مستقل طور پر ذکر کرنے اور اسے مرحلۂ متقدّمین و مرحلۂ متاخرین کا قسیم قرار دینے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس مرحلے (کے مذکورہ تمام امتیازات) کے ساتھ علمِ مصطلح ایک ایسے منہجی مرحلے میں داخل ہو چکا ہے جو ماضی سے ممتاز ہے۔

قبل ازیں علمِ حدیث، عالمِ اسلام کے علمی حلقوں کے درمیان دائر ایک علم تھا، اس علم کا حامل محض اجازات کے بل بوتے ہی آگے پہنچانے (اور تعلیم دینے) کا اہل ہوجاتا تھا، اب یہ علم (مذکورہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ) کلیاتِ شرعیہ میں ایک علمی مستقل شاخ بن گیا ہے، جن میں (علومِ حدیث میں مہارت کے حامل) سند یافتہ اساتذہ کی مرتب کردہ جدید تالیفات پڑھائی جاتی ہیں، اور ان ماہرین کو یہ سندیں تقریباً متفقہ اکیڈمک معیار کے موافق بحث وتحقیق کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہیں۔ نیز اب تاریخی منہج اور نظریۂ علمیّات (Epistemology) کے متخصّص انسانی علوم کے مناہج بھی خبروں کی چھان پھٹک کی غرض سے علمِ مصطلح (کے قواعد وضوابط) سے استفادہ کرتے ہیں، اور سماجیات ونفسیات کے ماہرین، راویوں کی جرح وتعدیل کے تعلق سے علمِ مصطلح سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔(والفضل ما شهدتْ به الأعداء!)

علومِ حدیث: تاریخی پس منظر

تاریخِ اسلام نے ابتدا میں ہی متعدّد اسلامی تہذیبوں کی شناخت حاصل کی، جن میں روایتِ حدیث کے ابتدائی تُخم کی نشوونما ہوئی۔ ابتدا میں سندوں کا مرکز، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تھے، متعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عراقی شہروں (کوفہ، بصرہ اور بغداد) منتقلی سے یہ مرکزیّت عراق میں منتقل ہوگئی۔ فتنوں کے پیش آنے کے بعد سند کا مطالبہ نُمایاں ہوگیا، امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''لم یکونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سمّوا لنا رجالکم؛ فینظر إلی أهل السنة فیؤخذ حدیثهم، و ینظر إلی أهل البدع، فلایؤخذ حدیثهم.''(۲۰)

یعنی ''(ابتدا میں) اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے، جب فتنہ پیش آ گیا تو انہوں نے کہنا شروع کیا: ہمارے سامنے اپنے رجال (حدیث) کے نام ذکر کرو؛ تاکہ اہلِ سنت کو دیکھ کر اُن سے حدیث لی جائے اور اہلِ بدعت کو دیکھ کر اُن کی حدیث قبول نہ کی جائے۔''

بعدازاں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک تعداد شام منتقل ہوگئی، تو ان صحابہ کرامؓ اور خلافتِ امویہ (جس نے اپنے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ذخیرۂ سنت کی سرکاری تدوین کی بنیاد ڈالی تھی) کی بدولت یہ نئی روایت (طلبِ اسناد) شام میں بھی منتقل ہوگئی۔

خلافتِ امویہ کے ذریعے مرکزِ اسلام کے شام منتقل ہونے کے بعد تاریخِ اسلام میں کئی بڑے واقعات پیش آئے اور کلامی فرقے پیدا ہوئے۔ مسئلہ تقدیر اور عدلِ الٰہی کے تعلق سے مختلف کلامی مذاہب کی بنیاد پڑی، ان میں ایک اہم فرقہ ''معتزلہ'' ہے، جن کا نام بعد میں ''قدریہ'' پڑ گیا، اور خاص ''قدریہ'' کا نام ''مجبرہ'' تھا۔(۲۱) ''مجبرہ'' امویوں کے تابع تھے۔ ''مرجئہ'' کی اکثریت اور ''خوارج'' بھی شام میں تھے۔ ان کلامی فرقوں کی بنا پر ''قدر وابتداع'' اور راوی ومروی کی تحقیق کے تئیں نُمایاں اختلافات پیش آئے، چنانچہ ''قدر'' اور ''ارجاء'' کسی راوی کی جرح وتعدیل اور اس کی روایت کی قبولیت کے متعلق ایک بنیادی علامت اور نُمایاں صفت بن گئی۔(۲۲)

علمِ مصطلح سے متعلق مناہجِ اربعہ

مذکورہ صورتِ حال کے نتیجے میں ''منہجِ نقدِ احادیث واخبار'' کے متعلق پہلی تین صدیوں میں تین بنیادی مذاہب سامنے آئے:

❶ - مذہبِ معتزلہ: معتزلہ کا مرکز عراق تھا، اور یہیں سے وہ اس دور میں عالمِ اسلام کی متعدّد تہذیبوں میں پھیلے، مثلاً: بلخ، اور مغربِ اقصی۔(۲۳) شام میں اُموی ان کے مخالف تھے۔

مذہبِ اعتزال کی بنیاد پانچ کلامی مسائل ہیں: توحید، عدل، منزلہ بین المنزلتین، وعدہ ووعید، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ معتزلہ ان پانچ امور پر متفق ہیں، اور ''نقدِ احادیث واخبار'' میں انہیں اَساس قرار دیتے ہیں، چنانچہ جو احادیث ان پانچ بنیادوں کے موافق ہوں وہ ان کے نزدیک صحیح احادیث ہیں، اگرچہ وہ مدوّن ذخیرۂ سنت میں ضعیف، بلکہ موضوع ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو احادیث ان پانچ بنیادی مسائل کے موافق نہ

ہوں، اگر وہ متواتر ہوں تو معتزلہ ان میں تاویل کرتے ہیں، اور اگر اخبارِ آحاد صحیحہ ہوں تو انہیں رد کر دیتے ہیں۔

❷ - مذہبِ حنفی: جو اپنے مخالفین یعنی اہلِ حدیث کے نزدیک مذہبِ اہلِ رائے سے معروف ہے، اس کا مرکز بھی عراق تھا، اور وہاں سے بلادِ ماوراء النہر تک پھیلا۔

(امام) عیسیٰ بن ابان اور متقدمین ومتاخرین حنفیہ میں سے ان کے متبعین نے مذہبِ حنفی میں قیاس کو ایسی خبر واحد پر مقدم رکھا ہے جس کا راوی عادل ہو، لیکن فقیہ نہ ہو، جبکہ (اس خبر واحد پر عمل سے) رائے واجتہاد کی راہیں بند ہوتی ہوں۔ (۲۴)

❸ - مذہبِ مالکی: جو عملِ اہلِ مدینہ کو خبر واحد صحیح پر مقدم رکھنے میں معروف ہے۔

❹ - مذہبِ محدثین: جو عموماً مذہبِ شافعی ومذہبِ حنبلی کے متبعین پر مشتمل ہے، انہوں نے قبولِ حدیث میں راوی کی عدالت کو اَساس قرار دیا ہے۔

مسئلہ قدر، خوارج اور تشیّع (یعنی وہ امور جن کی بنا پر راوی مجروح قرار پاتا ہے اور اس کی روایت مردود) کے متعلق اس دور میں بلادِ شام نے جو کلامی موقف اختیار کیا تھا، اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذہبِ محدثین (جس کی بنیاد عدالت کو معیار قرار دینے پر ہے) ایسی چھتری ہے جس کے ذریعے ہم اس دور کے بلادِ شام کا منہج پہچان سکتے ہیں، اگرچہ بلادِ شام کی احادیث کے متعلق یہ وصف بھی ملتا ہے کہ یہ احادیثِ رقائق ومواعظ کے بلاد ہیں۔

متعارف علمِ اصولِ حدیث اور مناہجِ اربعہ

بنیادی طور پر منہجِ محدثین ہی بعد کے دور کی ابتدائی کتب میں علمِ اصولِ حدیث سے معروف ہوا، ابتدا میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا ''مقدمة صحيح مسلم''، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ''العلل الصغير''، اور ''رسالة الإمام أبي داود إلى أهل مكة''، درمیانی دور میں ''مقدمة ابن الصلاح'' اور آخر میں حافظ حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ''نزهة النظر''، نیز ان دونوں شخصیات (یعنی حافظ ابن صلاح اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ) کی کتابوں کی شرحیں، تعلیقات، مختصرات اور منظومات۔

چنانچہ محدثین (خاص طور پر مذہبِ شافعی ومذہبِ حنبلی) بعد کے مرحلے میں چوتھی صدی کی ابتدا سے تا حال علمِ مصطلحِ حدیث کی بنیاد بنے۔ معتزلہ کے کلامی مذہب اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے علاوہ ''نقدِ احادیث'' کے متعلق دونوں طبقوں کے حدیثی مذہب کا علمی رواج اور پھلنا پھولنا مقدر نہ ہوا۔

لیکن عین اسی دور میں مذہبِ حنفی کے نقطۂ نظر سے اصطلاحی کتابیں موجود ہیں، دورِ حاضر میں اس

حوالے سے علماء ہند کا اہم کردار ہے، جیسے: مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی اور مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہا اللہ وغیرہ کی کتابیں۔ اس کے بعد یہ کتب اس بنا پر تصنیف کی گئیں کہ یہ کتابیں، متاخرین کے ایک ہزار سال (چوتھی سے تیرہویں صدی) کے دوران علمِ مصطلح الحدیث کی طویل روایت کی نمائندگی نہیں کرتیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱- ملاحظہ کیجیے: ''نشأة علم المصطلح والحدّ الفاصل بين المتقدّمين والمتأخرين''، فصلِ دوم، ڈاکٹر عصام عیدو (ص:۸۱ اور اس کے بعد)

۲- دیکھیے: ''منهج النقد'' (ص:۳۷-۶۳)

۳- ملاحظہ کیجیے: ''منهج النقد عند المحدّثين'' (ص:۷، ۸)

۴- دیکھیے ڈاکٹر حاتم عونی کا مقالہ: ''بيان الحدّ الذي ينتهي عندهُ أهل الاصطلاح والنقد في علوم الحديث''، یہ مقالہ مرکز الدراسات الإسلامية، دبئی میں ''علوم الحديث - واقع وآفاق'' کے عنوان سے منعقدہ سیمینار (کے شائع شدہ مقالات) کے ضمن میں طبع ہوا ہے۔ (ص:۴۰-۵۷)

۵- ڈاکٹر نور الدین عتر نے ان دو حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے۔

۶- ڈاکٹر حاتم عونی نے اپنی تقسیم میں اسی پہلو کو بنیاد بنایا ہے۔

۷- ڈاکٹر اعظمی نے اپنی تقسیم میں اس جہت کا اعتبار کیا ہے۔

۸- امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے امام ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کو خط لکھا: '' مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ ؛ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ'' یعنی ''آپ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھ لیجیے؛ کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور اہلِ علم کے اُٹھ جانے کا اندیشہ ہے۔'' صحيح البخاري، كتاب العلم، باب: كيف يقبض العلم؟ (۱/۴۸، ۴۹) امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے یہ حدیث تعلیقاً نقل کی ہے، بعد ازاں علاء بن عبد الجبار کے طریق سے ذکر کی ہے۔

۹- دیکھیے: ''لمحات موجزة في أصول علم علل الحديث'' ڈاکٹر نور الدین عتر، (ص:۱۹) اور مقدّمة المحقّق على كتاب ''العلل ومعرفة الرجال'' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، (۱/۳۴)

۱۰- ملاحظہ فرمائیے: ''منهج النقد'' ڈاکٹر عتر، (ص:۶۲)

۱۱- دیکھیے: ''منهج النقد'' (ص:۶۳-۷۰)

۱۲- دیکھیے: ''منهج النقد عند المحدّثين'' (ص:۸)

۱۳- ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر حاتم عونی کا مقالہ: ''بيان الحدّ الذي ينتهي عندهُ أهل الاصطلاح والنقد في علوم الحديث'' (ص:۵۸-۷۴)

۱۴- (ص:۱۱، ۷۰، ۷۱)

۱۵- ''مقدمة ابن الصلاح'' کی نوعِ اول کے دوسرے فائدے میں حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ نے اس نکتے کا ذکر کیا ہے، حافظ رحمہ اللہ کے بعد سے آج تک اہلِ علم میں یہ عبارت موضوعِ بحث رہی ہے۔ حال میں ''دار البشائر الإسلامية'' بیروت سے ایک عرب

خاتون ڈاکٹر ایمان بنت محمد علی عزام کی کتاب شائع ہوئی ہے:''مسألة التصحيح في الأعصار المتأخرة- بين كلام ابن الصلاح رحمه الله وتعليقات العلماء ودراسات المعاصرين'' کے نام سے ۳۹۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ متخصصینِ علوم حدیث کو اس کتاب سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے، اور زیر بحث مسئلے کی تحقیق کے ساتھ کسی اصولی بحث کا طریقۂ تحقیق بھی اس کتاب کے ذریعہ سیکھنا چاہیے، نیز''أحكام الحافظ ابن الصلاح على الأحاديث- جمعاً و دراسة مقارنة'' کے نام سے شیخ خالد فیتوری کی ایک کتاب تین جلدوں میں دار الریاحین (عمان، اردن) سے شائع ہوئی ہے، جس پر حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کے لگائے گئے احکام پر مشتمل احادیث یکجا کر دی گئی ہیں، اس کتاب پر معروف عرب محدّث اور جامعہ ازہر کے استاذ ڈاکٹر احمد معبد عبد الکریم حفظہ اللہ کا گراں قدر مقدمہ ہے۔ یہ دونوں معاصر کتابیں حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے اہم اور مفید اضافہ ہیں۔(از مرتب)

۱۶- دیکھیے:''إرشاد طلّاب الحقائق''للنوويّ (ص۶۲)،''شرح التبصرة والتذكرة''للعراقي (۱/ ۱۳۰) اور ''تدر يب الراوي'' للسيوطيّ (۱/ ۱۵۴-۱۶۰)

۱۷- ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ کی کتابیں:''الاستشراق''اور''السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي''، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب''دراسات في الحديث النبوي''، ڈاکٹر نور الدین عتر رحمہ اللہ کی کتاب''منهج النقد''، اور ڈاکٹر حاکم مُطیری کی کتاب''تار يخ تدو ين السنة وشبهات المستشر قين''۔ مذکورہ کتابوں میں سے بعض میں آپ کو گہرائی نظر آئے گی، جیسے: ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب میں، اور بعض میں گہرائی کے ساتھ واضح ردّ عمل بھی دکھائی دے گا جس میں مستشرقین کے منہج کو ایسے شکوک وشبہات کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے جو بلا تحقیق وتجزیہ پیش کیے گئے ہیں۔

۱۸- جیسے: کتاب''السنة النبو ية بين أهل الفقه وأهل الحديث'' ڈاکٹر محمد الغزالی رحمہ اللہ، اور اس کتاب پر لکھی گئی تنقیدی کتب ورسائل۔

۱۹- یہ کتاب دراصل ڈاکٹر حاتم عونی حفظہ اللہ کی ایک اور کتاب''المرسل الخفي وعلاقته بالتدليس'' کا تمہیدی مقدمہ ہے، جو مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہوا ہے، اور حدیثی منہج کے متعلق نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

۲۰- یہ قول امام مسلم رحمہ اللہ نے''صحیح مسلم'' کے مقدمہ (۱/ ۱۵) میں نقل کیا ہے، نیز دیکھیے:''الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع''خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۱/ ۱۹۶) فقرہ نمبر: (۱۴۴)، اور''شرح العلل''ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (۱/ ۵۲، ۵۳)

۲۱- دیکھیے:''فضل الاعتزال''قاضی عبد الجبار معتزلی (ص:۳۴۵)

۲۲- ملاحظہ کیجیے:''قبول الأخبار ومعرفة الرجال''ابو القاسم عبد اللہ کعبی بلخی (۲/ ۳۸۱ اور اس کے بعد)

۲۳- دیکھیے:''مقالات الإسلاميين''بلخی (ص:۵۷ اور اس کے بعد)

۲۴- ملاحظہ فرمائیے:''أصول السرخسي''(۱/ ۳۳۸، ۳۳۹)،''تقو يم أصول الفقه''للدبوسي (۱/ ۳۰۸)، ''أصول البزدوي'' (۲/ ۶۹۸، ۶۹۹)،''كشف الأسرار''لعلاء الدين البخاري (۲/ ۲۹۹)، اور''شرح المنار'' (ص:۲۰۹-۲۱۱)

غلط خبریں پھیلانے کی وبا!

مفتی سید انور شاہ

استاذ جامعہ بیت السلام، کراچی

سوشل میڈیا نے جہاں رابطوں کو عام، تعلقات کے دائرے کو وسیع اور مسافت کے پیمانے کو بدل کر ہر شخص کو کہنے، لکھنے کا موقع فراہم کیا ہے، وہاں جھوٹ، الزام تراشی اور غلط خبریں پھیلانے کی وبا بھی انتہائی عام اور آسان ہوگئی ہے۔ اس سے قبل تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہونے والا واقعہ سوشل میڈیا کے ذریعے سیکنڈوں میں دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ خطرناک اور افسوسناک بات یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر کسی بھی خبر یا افواہ کو تحقیق سے بھی پہلے پوری دنیا میں نشر کیا جاتا ہے۔ معلومات درست ہوں یا غلط، کوئی اس جھنجھٹ میں پڑتا ہی نہیں۔

اردو میں مشہور ضرب المثل ہے کہ ''جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے'' مگر اب سوشل میڈیا کے ذریعے اس کے ایسے پر نکل آئے ہیں، جس نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہمارے ماحول میں زندگی کا کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں رہا: چھوٹے بھی، بڑے بھی، امیر بھی، فقیر بھی، رئیس بھی، مزدور بھی، خوش حال بھی، مفلس بھی، عالم بھی، جاہل بھی، نامور بھی، گمنام بھی، تعلق دار بھی، رعایا بھی، مجسٹریٹ بھی اور چپڑاسی بھی، مذہبی اور سیاسی اختلاف رکھنے والے بھی نیچے سے اوپر تک اس وبا کا شکار نظر آتے ہیں۔ کھلا جھوٹ تو ایسی چیز ہے جسے ہر شخص برا سمجھتا ہے، اس میں مسلمان اور کافر کی بھی قید نہیں، ان سے بھی اگر پوچھا جائے کہ جھوٹ بولنا کیسا ہے؟ تو یقیناً ان کا جواب بھی یہی ہوگا کہ بہت برا ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کو جب کبھی اپنے کردار کی درستگی کا خیال آئے گا تو وہ جھوٹ سے بھی توبہ کرلیں گے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں جھوٹ کی بہت سی ایسی صورتیں تیزی سے وجود میں آگئی ہیں، جنہیں بہت سے لوگ جھوٹ سمجھتے ہی نہیں، لہٰذا انہیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو رہا ہے، حالانکہ اسلام نے تو ان چور دروازوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جہاں سے انسان کی نفسانی خواہشات حیلے بہانے تلاش کرسکتی ہیں۔

نفسِ انسانی کی ایک فطرت یہ ہے کہ جس برائی کا الزام وہ براہِ راست اپنے سر نہیں لینا چاہتا، اسے کسی اور شخص کے کندھے پر رکھ کر انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ مقصد بھی حاصل ہو جائے اور اپنے اوپر حرف بھی نہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے جھوٹ کے سلسلے میں انسان کی اس نفسانی کیفیت کو نہایت لطیف اور بلیغ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''إحیاء العلوم'' میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے: ''بِئس مطیّة الکذب زَعَمُوا'' جھوٹ کی بدترین سواری یہ فقرہ ہے کہ ''لوگ یوں کہتے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ براہِ راست جھوٹ بولنے سے کتراتے ہیں، وہ بے بنیاد اور بے تحقیق باتیں لوگوں کے سر پر رکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ: ''لوگ تو یوں کہتے ہیں: ''لوگوں میں یہ بات مشہور ہے''، ''لوگوں کا کہنا تو یہ ہے۔'' یہ وہ جملے اور فقرے ہیں جو جھوٹ کے الزام سے بچنے کے لیے ایک ڈھال کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ جھوٹ جو اپنے پاؤں چل کر نہیں پھیل سکتا، اس قسم کے فقروں پر سوار ہو کر پھیل جاتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے اس فقرے کو ''جھوٹ کی سواری'' قرار دیا۔

یہ تو ایک لطیف اور استعاراتی پیرائے کا بیان تھا جو حقائق پر نگاہ رکھنے والوں کے لیے بڑا مؤثر اور دل میں اُتر جانے والا ہے، لیکن اسی بات کو آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں بالکل سادہ اور عام فہم الفاظ میں بھی ارشاد فرمایا جسے ہر شخص ہی سمجھ جائے، فرمایا: ''کفٰی بِالمرءِ کَذِباً أن یُحدِّثَ بکُلّ ما سَمِعَ''، ''انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر وہ بات دوسروں کو سنانے لگے جو اس نے کہیں سے بھی سن لی ہو۔''

دونوں ارشادات کا منشا اور مقصد درحقیقت یہ بتانا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہر کچی پکی بات جو کہیں سے اُڑتی ہوئی ہاتھ آ گئی، اسے آگے چلا دے۔ یاد رکھیے! اس سے افواہیں جنم لیتی ہیں، جھوٹی باتیں معاشرے میں پھیلتی ہیں اور متضاد افواہوں کے گرد و غبار میں حقیقت کا چہرہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی ایسی بے تحقیق افواہیں پھیلانے کی پرزور مذمت کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں یہ منافقین کا وطیرہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ایسی افواہیں پھیلاتے رہتے تھے جن سے لوگوں میں بے چینی اور تشویش پیدا ہوتی تھی اور دشمنوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ قرآن کریم نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

''وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ'' (سورۃ النساء: ۸۳)

''جب بھی امن یا خوف (جنگ) کے بارے میں انہیں کوئی بات پہنچتی ہے، وہ اسے پھیلانے میں لگ جاتے ہیں، اگر وہ اسے (پھیلانے) کے بجائے پیغمبر تک اور ذمہ دار لوگوں تک پہنچاتے تو وہ لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو اس کی کھود کر (تحقیق) کر سکتے ہیں۔''

قرآن وسنت کے ان ارشادات سے اسلام کا جو مجموعی مزاج سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کی مناسب تحقیق نہ ہوجائے، اس وقت تک اسے دوسروں کے سامنے بیان کرنا یا پھیلانا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی بے تحقیق بات کو پورے وثوق اور یقین سے بیان کرے تب تو ظاہر ہے کہ وہ خلافِ واقعہ اور غلط بیانی کے ذیل میں آتا ہے، لیکن اگر بالفرض وثوق کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے ''لوگ کہتے ہیں'' جیسے فقرے کا پردہ اور آڑ لے کر بیان کرے، لیکن مقصد یہی ہے کہ سننے والے اسے سچ باور کرلیں، تب بھی مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

دراصل اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان معاشرے کا ایک ذمہ دار فرد بن کر زندگی گزارے۔ اس کے منہ سے جو بات نکلے، وہ کھری اور سچی بات ہو اور وہ اپنے کسی قول وفعل سے غیر ذمہ داری کا ثبوت نہ دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ'' (سورۂ ق:۱۸)

انسان جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے، اسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک نگہبان ہر وقت تیار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ جو بات وہ زبان سے نکال رہا ہے، وہ فضا میں تحلیل ہوکر ختم ہوجاتی ہے، بلکہ منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کہیں ریکارڈ ہو رہی ہے، اور آخرت میں اس سارے ریکارڈ کا ہر شخص کو جواب دینا ہوگا۔

ان تمام تر اسلامی تعلیمات اور تاکیدات کے باوجود ہم اتنے بے قابو ہو چکے ہیں کہ ہمیں ذمہ داری کا ذرہ برابر احساس ہی نہ رہا۔ اور ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ کہیں سے بھی کوئی اُڑتی ہوئی بات ہاتھ آگئی، اسے تحقیق کے بغیر دوسروں تک پھیلانے اور پہنچانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، اور بے دھڑک ایک دوسرے کو اس طرح کی باتیں بھیج دیتے ہیں، جس کی وجہ سے فضا میں ہر وقت افواہوں کا ایک طوفان اور سیلاب برپا رہتا ہے۔

ابھی حال ہی میں سوشل میڈیا پر صحافیوں کی ایک فہرست جاری ہوئی اور واٹس اپ کے مختلف گروپوں میں نشر ہوتی رہی، بغیر ثبوت اور تحقیق کے ان صحافیوں کے متعلق اس میں کہا گیا تھا کہ: ''یہ سب قادیانی ہیں۔'' کئی حضرات سادگی میں اسے کارِ خیر سمجھ کر عام کرتے رہے، جبکہ ان ناموں میں کئی حضرات ایسے تھے جنہوں نے خود قادیانیت کے خلاف کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں سیاسی اختلاف رکھنے والے کارکنوں کی حالت ناقابلِ بیان ہے۔

کچھ دن پہلے سوشل میڈیا کے ایک نیٹ ورک میں ایک عالم کے متعلق یہ کہا گیا کہ انہوں نے پینتالیس لاکھ کی لسی نوش فرمائی ہے، کئی لوگ اسے سچ مچ سمجھ کر تبرا کر رہے تھے۔ یوں تو ہر قسم کی خبر میں احتیاط اور ذمہ داری کی ضرورت ہے، لیکن جس چیز کے نتیجے میں کسی دوسرے پر کوئی الزام لگتا ہو، اس میں تو احتیاط کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے، کیونکہ اس سے کسی دوسرے انسان کی عزت و آبرو کا مسئلہ وابستہ ہے۔

اور بلا تحقیق افواہوں کی بنیاد پر کسی انسان کی عزت کو مجروح کرنا صرف جھوٹ ہی نہیں، بہتان بھی ہے، اور حقوق العباد میں سے ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک اور سنگین جرم ہے، لیکن ہمارے موجودہ ماحول میں کسی شخص پر کوئی الزام عائد کرنا ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے، جس میں کسی تحقیق اور ذمہ داری کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ بالخصوص اگر کسی شخص سے ذاتی، جماعتی یا سیاسی اختلاف ہو تو اس کی غیبت کرنا، اس پر بہتان باندھنا اور اسے طرح طرح سے بے آبرو کرنا بالکل جائز اور حلال سمجھ لیا گیا ہے۔

جھوٹ کی اس وبا نے غلط بیانی اور بہتان طرازی کی برائی دلوں سے نکال دی ہے، اور ہر غیر ذمہ دار شخص کو یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ وہ بے بنیاد سے بے بنیاد بات بے دھڑک معاشرے میں پھیلا دے۔

نیز اس صورت حال میں ایک انتہائی خطرناک بات یہ بھی ہے کہ غلط الزامات کے سیلاب میں حقیقی مجرموں کو فی الجملہ پناہ مل گئی ہے، یعنی جو لوگ واقعی خطا کار اور بدعنوان ہیں، انہیں بدنامی کا زیادہ خطرہ باقی نہیں، اس لیے وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر کوئی خبر ہماری بدعنوانی کے بارے میں اُڑی تو وہ اسی طرح مشکوک سمجھی جائے گی، جیسے اور بہت سی بے تحقیق باتوں کو سنجیدہ لوگ مشکوک سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، چنانچہ بدعنوان افراد آرام سے بدعنوانیوں میں ملوث رہتے ہیں اور بہت سے بے گناہوں کے دامن پر داغ لگ جاتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے معاشرے میں غیر ذمہ دارانہ باتیں بے حد پھیل گئی ہیں، لیکن مسئلہ اس صورت حال کی مذمت کرتے رہنے سے حل نہیں ہوسکتا، جب تک ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسے تبدیل کرنے کا پختہ عزم نہ کرے۔ دوسروں پر نہ سہی، لیکن ہر شخص کو اپنے آپ پر مکمل اختیار حاصل ہے، جسے کام میں لائے بغیر یہ صورت حال تبدیل نہ ہوگی۔

(نوٹ: واضح رہے کہ اس مضمون میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ذکر و فکر سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے نقصانات

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

یونیورسٹی آف ٹورنٹو، کینیڈا کے الیکٹریکل انجینئرنگ کے پروفیسر جارج سینکلیئر George Sinclair اپنے ۱۹۸۰ء کے مقالے میں لکھتے ہیں کہ شاید ''ٹیکنالوجی'' کی اتنی ہی تعریفیں ہوں کہ جتنے اس کے استعمال کرنے والے ہیں، یعنی ٹیکنالوجی کی تعریف کا انحصار ٹیکنالوجی کے استعمال کرنے والے پر ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''ٹیکنالوجی'' کی تعریف کرنے کے لیے پروفیسر کارل مچٹیم Carl Mitcham کو پینسٹھ صفحات درکار ہوئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مؤرخین اور فلسفی جس طریقے سے ٹیکنالوجی کی تعریف پیش کرتے ہیں، وہ اس ٹیکنالوجی کو ایجاد کرنے والے انجینئروں، سائنسدانوں اور محققین کے یہاں سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ ٹیکنالوجی کی فلسفیانہ، تاریخی اور عملی تعریف کی بحث میں پڑے بغیر ہم اپنے قارئین کے لیے ٹیکنالوجی کی آسان تعریف پیش کرتے ہیں۔ برٹانیکا انسائیکلیو پیڈیا کے مطابق ''سائنسی علم کا انسانی زندگی کے عملی مقاصد کے لیے استعمال کو ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے۔'' کیمبرج ڈکشنری کے مطابق ''سائنسی علم کا کاروبار، صنعت یا مینوفیکچرنگ میں استعمال کو ٹیکنالوجی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔'' یا مزید آسان الفاظ میں: ''سائنسی دریافتوں کے عملی، خاص طور پر صنعتی استعمال کو ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے۔''

ٹیکنالوجی کے استعمال سے جہاں انسانیت نے بے تحاشا فوائد اُٹھائے ہیں، مثلاً آمدورفت میں آسانی سے لے کر علاج معالجہ وغیرہ، وہیں ٹیکنالوجی کے استعمال میں جب اِفراط وتفریط کا رویہ برتا گیا تو اسی ٹیکنالوجی نے نسلیں تباہ کر دیں۔ ایک اہم بات کہ عمومی طور پر سائنسدان اور محققین اپنی سائنسی تحقیقات، ایجادات اور ٹیکنالوجیز انسانیت کے فائدے کے لیے پیش کر رہے ہوتے ہیں، مگر اُن کی ایجادات اور سائنسی تحقیقات وٹیکنالوجی کو بڑے بڑے سرمایہ دار اُچک لیتے ہیں اور اس ٹیکنالوجی سے پیسے بنانے لگ جاتے ہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی کہ اس وقت عالمی سطح پر کون سی سائنسی

تحقیقات ہونی چاہئیں یا کون سی ٹیکنالوجی کے متعلق قوانین اور اس کو فروغ دینا چاہیے یا حکومتوں یا فنڈنگ ایجنسیز کو کس سائنسی شعبے میں زیادہ سرمایہ لگانا ہے، اس میں بھی دراصل عالمی معاشی سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے والوں کا کافی کردار ہوتا ہے۔ گو کہ سائنسدانوں اور محققین کی ایک بڑی تعداد اپنی تحقیقات میں اخلاص سے لگی رہتی ہے، مگر انہی تحقیقات کو زیادہ تر فروغ ملتا ہے جو کہ عالمی سرمایہ درانہ نظام کو تقویت دیتی ہیں، جن سے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے والوں کے مفاد وابستہ ہوتے ہیں، جو اُن کے نظریات کی تائید میں ہوتی ہیں اور ان کے ایجنڈے کو فروغ دیتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے والے ہی دراصل پوری دنیا کی ٹیکنالوجی کو آگے فروغ دیتے ہیں اور پورے عالمی معاشی نظام کو اپنے قبضے میں لے کر ''قدر'' اور ''اقدار'' کی نئی تعریف بھی خود ہی کرتے ہیں، یعنی یہ جب چاہتے ہیں فرضی، تخیلاتی چیزوں کو قابلِ قدر بنا کر خرید و فروخت شروع کروا دیتے ہیں، اور یہ جب چاہتے ہیں ''اقدار'' کی تعریف بھی متعین کر دیتے ہیں کہ معاشرے میں موجود سب سے بری چیز بھی لوگوں کو معزز لگنا شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرکاری قانون، اخلاقیات اور مذہبی پابندیوں کو مدِنظر نہیں رکھا جاتا اور اصل مقصد پیسہ کمانا ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس کا عملی نتیجہ جو سامنے آتا ہے، اس سے معاشرے میں صرف اور صرف معاشی اَبتری اور اخلاقی گراوٹ ہی ہوتی ہے۔

قارئین! اب ہم انہیں ٹیکنالوجیز میں سے ایک ٹیکنالوجی کی شکل یعنی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا ذکر کرتے ہیں۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی میں سوشل میڈیا، کمپیوٹر، اسمارٹ فون، اسمارٹ ٹی وی، آئن لائن گیمز وغیرہ آتے ہیں۔ آن لائن اعداد و شمار جمع کرنے والی ویب سائٹ اسٹیٹا سٹا Statista.com کے مطابق پوری دنیا میں صرف سوشل میڈیا کے استعمال کرنے والوں کی تعداد سوا پانچ ارب سے تجاوز کر چکی ہے۔ ان میں فیس بک (میٹا)، یوٹیوب، انسٹا گرام، واٹس اپ، ٹک ٹاک، وی چیٹ، ٹیلی گرام، اسنیپ چیٹ، ٹیوٹر (ایکس) وغیرہ سب سے زیادہ استعمال ہونے والے پلیٹ فارمز اور ایپلیکیشنز ہیں۔ سوشل میڈیا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے عمومی طور پر کمپیوٹر اور موبائل فون کو استعمال کیا جاتا ہے۔

جہاں تک موبائل فون کا تعلق ہے تو موبائل فون کی ایجاد نے جہاں آپس کے رابطے میں سہولت پیدا کی تھی، وہیں ایمرجنسی کی صورت میں فوری رابطہ کرنے کے ذرائع بھی عوام کو میسر آئے، مگر جوں جوں کمپیوٹر سائنس اور ٹیلی کمیونیکشن انجینئرنگ میں ترقی ہوئی، اس موبائل فون نے بھی ترقی کے مراحل طے کیے اور اب ہمارے سامنے موبائل فون کی جدید شکل اسمارٹ فون کی صورت میں موجود ہے، لہٰذا عمومی طور پر جب ہم موبائل فون کہتے ہیں تو اس سے یہی اسمارٹ فون مراد ہوتا ہے، لہٰذا ہم اپنے اس مضمون میں موبائل فون اور اسمارٹ فون کو مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کریں گے۔ اس اسمارٹ فون کو اب بلا مبالغہ دسیوں

قسم کے کاموں میں استعمال کیا جارہا ہے، جن میں ای میل، فیکس، اسکینگ سے لے کر گیمنگ، ٹریڈنگ، کیلکولیٹر، کیمرہ، اور ویڈیوز دیکھنے تک شامل ہیں۔ اب سے بیس پچیس سال پہلے گھروں میں جو ٹی وی ہوا کرتا تھا، اس میں وہی ٹی وی چینلز اور پروگرام دیکھے جاسکتے تھے جو کہ حکومتی اجازت سے ٹی وی چینلز نشر کرتے تھے۔ اگر کسی کو اپنی پسند کی فلم یا کوئی پروگرام دیکھنا ہوتا تو اس کے لیے وہ علیحدہ سے وی سی آر لے کر آتا اور پھر اس کے ذریعے سے اپنے من پسند پروگرامز کو دیکھتا۔ اسمارٹ فون نے انسانوں کو ان مختلف الیکٹرانک آلات کی قید سے بھی نجات دے دی اور اب اسی اسمارٹ فون پر وہ جب چاہے، جہاں چاہے، اور جس طرح کے پروگرامز چاہے دیکھ سکتا ہے۔ نیز بڑی ٹیکنالوجی کمپنیوں نے جس طرح سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو فروغ دیا ہے، اس کے نتیجے میں بچے اور نوجوان بے حیائی، عریانی، فحاشی، گیمنگ، چیٹنگ، جوا، سٹہ اور سود جیسی مخربِ اخلاق اسکیموں کے عادی ہو چکے ہیں اور اخلاقی گراوٹ کی پستیوں میں گر چکے ہیں، الا ماشاء اللہ۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ موبائل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال سے دماغی صحت پر انتہائی بُرا اثر پڑتا ہے اور سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق بالخصوص بچوں اور نوجوانوں کے لیے تو اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا بہت نقصان دہ ہے۔ اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے تباہ کن اثرات اب کسی سے مخفی نہیں۔ انہی تباہ کن اثرات کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے قوانین بننا شروع ہو چکے ہیں، جن میں واضح طور پر موبائل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ میں ایک چھوٹے سے یورپی ملک آئرلینڈ کی مثال پیش کرنا چاہوں گا کہ جہاں پر پرائمری اسکولوں میں بچوں کے سوشل میڈیا کے استعمال اور موبائل فون لانے پر پابندی ہے اور اگر کوئی طالبِ علم موبائل فون اسکول لے کر آئے گا تو اسکول ٹیچر اس کا موبائل فون ضبط کر لیتے ہیں۔

آئرلینڈ کی وزارتِ تعلیم کی وزیر نورما فولے Norma Foley سیکنڈری اسکولوں میں بھی اسمارٹ فون لانے پر پابندی لگانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں، ان کا بیان ہے کہ:

> ''وزارتِ تعلیم کی وزیر موبائل فون کو تمام سیکنڈری اسکولوں میں لانے پر پابندی لگانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں، اس تحقیق کے نتیجے میں جو کہ طالب علموں کے آلات (موبائل فون) کے استعمال کرنے کو ان میں انتشار پیدا ہونے (یعنی ان کی توجہ تعلیمی کاموں سے ہٹنے) اور سائبر ہراسانی کا شکار ہونے سے جوڑتی ہے، جبکہ زیادہ تر سیکنڈری اسکول موبائل فون پر پابندی لگاتے ہیں یا طلباء کو موبائل فون لاکرز میں رکھنے پر مجبور کرتے ہیں، نورما فولے اس بات پر قائل ہیں کہ موبائل فون پر وسیع ترین پابندی ہی آگے بڑھنے کا بہترین طریقہ ہے۔''

قارئین! دیکھیے کہ جس تحقیق کا آئرلینڈ کی وزارتِ تعلیم کی وزیر حوالہ دے رہی ہیں، اس میں دو

بنیادی وجوہات ذکر کی گئی ہیں: اول طلباء کا پڑھائی سے رجحان ہٹنا اور دوسرا سائبر ہراسانی۔ اقوامِ متحدہ کا فنڈ برائے اطفال یونیسیف کے مطابق سائبر بلینگ Cyberbullying یعنی سائبر ہراسانی کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز مثلاً انٹرنیٹ، سوشل میڈیا یا موبائل فون کا استعمال کرتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو ڈرائے، اُس کے متعلق جھوٹ بولے، اُسے دھمکائے، گالی گلوچ کرے، ہراساں کرے، اسے جان بوجھ کر تکلیف پہنچائے، جعلی اکاؤنٹ بنا کر غیر مناسب میسیجز دوسرے کو بھیجے، اور دوسرے شخص کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کرے۔ یہ دونوں ہی وجوہات ایسی ہیں جن سے بچوں اور طلباء کا مستقبل داؤ پر لگتا ہے اور وہ طرح طرح کے نفسیاتی، ذہنی، اور دیگر امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایک اور تحقیقی رپورٹ یہ بیان کرتی ہے کہ ان ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز، سوشل میڈیا، اور اسمارٹ فون کے استعمال سے ڈی ہیومنائزیشن Dehumanisation یعنی انسان میں سے انسانی صفات کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مغربی ترقی یافتہ ممالک میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز پر عائد پابندیاں

آئرلینڈ تو ایک چھوٹا سا یورپی ملک ہے، آپ اقوامِ متحدہ کی تعلیمی، علمی وثقافتی تنظیم یونیسکو کی گلوبل ایجوکیشن مانیٹرنگ رپورٹ ۲۰۲۳ء کو ہی دیکھ لیجئے جو کہ واضح طور پر کہتی ہے کہ: ''موبائل فون اسکولوں میں سیکھنے کے عمل میں رکاوٹ بنتے ہیں۔'' رپورٹ میں درج ہے کہ بیلجیم، اسپین، اور برطانیہ میں اسکولوں میں سے اسمارٹ فون کو ختم کرنے سے بچوں کے سیکھنے کے عمل میں بہتری آئی ہے۔ یہ رپورٹ چار سو پینتس صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو عالمی ماہرینِ تعلیم نے مرتب کیا ہے۔ یوں تو یہ رپورٹ پوری ہی پڑھنے کے قابل ہے، کیونکہ یہ ٹیکنالوجی کا تعلیمی اداروں اور تعلیم پر اس کے اثرات کا ذکر کرتی ہے، مگر اس رپورٹ کا آٹھواں باب نہایت اہمیت کا حامل ہے، جس میں ٹیکنالوجی کے منفی اثرات اور عالمی سطح پر ٹیکنالوجی، موبائل فون اور سوشل میڈیا پر عالمی پابندی کے قوانین کو تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں ایک اقتباس درج ہے۔

> "Studies from Belgium, Spain and the United Kingdom show that banning mobile phones from schools improves academic performance, especially for low-performing students. Analysis for this report shows that, globally, almost one in four countries has introduced such bans in laws or policies.
>
> Article 25 of the education law in Tajikistan states that the use of mobile phones by students is prohibited in primary, vocational and secondary schools. In Uzbekistan, the law calls for switching off all devices when entering schools.
>
> Several schools and universities in the United States have also started banning TikTok and other platforms."

ستمبر ۲۰۲۴ء کو برطانوی اخبار گارڈین میں چھپنے والی ''ہم پچھلے زمانے میں واپس جا رہے ہیں'' رپورٹ کے مطابق کئی یورپی ممالک اسمارٹ فون کے اسکولوں میں لانے پر تدریجاً پابندی لگا رہے ہیں، جن میں سرفہرست نیدرلینڈ، فرانس، ہنگری، اٹلی، اور یونان جیسے ممالک شامل ہیں۔ ان ممالک کے اسکولوں سے جڑے ماہرینِ تعلیم کا یہ ماننا ہے کہ جب ہم اسکولوں میں تمام بچوں کو دیکھتے ہیں تو وہ برآمدہ میں ٹہلتے ہوئے اسمارٹ فون میں منہمک نظر آتے ہیں، اُن کی آپس کی بات چیت ختم ہو چکی ہے اور کھیل کھیلنے والی ٹیبل ٹینس کی ٹیبلیں ویران پڑی رہتی ہیں اور بنیادی طور پر سماجی ثقافت کو کھو بیٹھے ہیں۔

"Six years ago, as officials at the Netherlands' Calvijn College began considering whether to ban phones from their schools, the idea left some students aghast. "We were asked whether we thought we were living in the 1800s",said Jan Bakker, the chair of the college, whose students range in age from 12to 18years. While the majority backed the idea, about 20٪of the parents, teachers and students surveyed were staunchly opposed. Some were parents who worried about not being able to get hold of their children during the day, while a handful of teachers argued it would be better to embrace new technologies rather than shun them. Still, school officials pushed forward." Walking through the corridors and the school yard, you would see all the children were on their smartphones. Conversations were missing, the table tennis tables were empty",said Bakker. "Basically we were losing the social culture."

اسی طریقے سے نیدرلینڈ کی حکومت نے موبائل فون، اسمارٹ واچز (گھڑیوں) اور ٹیبلٹس پر اسکولوں میں پابندی عائد کر دی ہے۔ اس وقت برطانوی پارلیمنٹ میں اس موضوع پر قانون سازی کے لیے بحث چل رہی ہے کہ کیا اسکولوں پر یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ مکمل طور پر موبائل فون فری ہوں؟ آرگنائزیشن آف اکنامک کارپوریشن اینڈ ڈیولپمنٹ (او ای سی ڈی) یعنی اقتصادی تعاون و ترقی کی عالمی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق حد سے زیادہ ڈیجیٹل آلات کا کلاس روم میں استعمال سے طلباء کی تعلیمی کارکردگی پر منفی اثر پڑتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں کم از کم انیس ریاستوں نے ایسے قوانین منظور کیے ہیں یا ایسی پالیسی نافذ کی ہیں جو ریاست بھر میں طلباء پر اسکولوں میں اسمارٹ فون کے استعمال پر پابندی عائد کرتی ہیں۔

"Cell phones, smart watches, and tablets are now banned for pupils at Dutch primary and secondary schools. The Dutch government called them a "distraction that reduces academic performance and social interaction.

"There is increasing evidence that cell phones in class are harmful.

Students can concentrate less and their performance suffers. We need to protect students from that ,"the Dutch government said in a statement.

Greece and Italy already have mobile phone bans in schools, and Germany has been mulling a similar move. A recent study by the Organization for Economic Cooperation and Development (OECD) recommened limiting the use of phones at school."

آسٹریلیا کی حکومت نے پچھلے مہینے یعنی نومبر ۲۰۲۴ء کو سولہ سال تک کی عمر کے بچوں کو سوشل میڈیا استعمال کرنے پر پابندی کا قانون نافذ کردیا ہے اور اس کی پارلیمنٹ نے دنیا کا سخت ترین قانون پاس کیا ہے۔ آسٹریلین وزیر برائے مواصلات میشیل رولینڈ Michelle Rowland کے مطابق ٹک ٹاک، فیس بک، انسٹاگرام، ایکس (ٹیوٹر)، اسنیپ چیٹ وغیرہ پر ۲۰۲۵ء تک مکمل پابندی لگائی جائے گی۔ آسان الفاظ میں سولہ سال کی عمر کے بعد ہی کوئی آسٹریلیا میں سوشل میڈیا کو استعمال کرسکے گا اور یہ پابندی صرف سوشل میڈیا کے اسکولوں میں استعمال تک محدود نہیں ہے، بلکہ چوبیس گھنٹے سولہ سال کے کم عمر بچوں کو مکمل طور پر سوشل میڈیا استعمال کرنے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

"Australia will ban children under 16 from using social media, after its parliament approved the world's strictest laws.

The ban, which will not take effect for at least 12 months, could see tech companies fined up to A$50m$) 32.5m£25.7m(if they don't comply.

Prime Minister Anthony Albanese says the legislation is needed to protect young people from the "harms" of social media, something many parent groups have echoed.

The legislation does not specify which platforms will be banned. Those decisions will be made later by Australia's communications minister, who will seek advice from the eSafety Commissioner-an internet regulator that will enforce the rules.

However the minister, Michelle Rowland, has said the ban will include Snapchat, TikTok, Facebook, Instagram and X. Gaming and messaging platforms are exempt, as are sites that can be accessed without an account, meaning YouTube, for instance, is likely to be spared.

سوچنے کی بات ہے کہ کیوں ہمارے حکومتی عہدے داروں، سیاستدانوں، پالیسی بنانے والوں کے ساتھ ساتھ اسکولوں، کالجز، اور یونیورسٹیوں سے جڑے لوگوں کو یہ ترقی یافتہ ممالک کے قوانین اور پالیساں نظر نہیں آتیں؟

چند گزارشات

آخر میں ہم اس مضمون کے ذریعے ٹیکنالوجی کے حوالے سے چند گزارشات پیش کرنا چاہیں گے:

- اسکولوں کے اندر بچوں کے موبائل فون اور اس سے جڑی ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز کے لانے اور استعمال پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ یہ صرف راقم کی تجویز نہیں ہے، بلکہ یہ تجویز اقوامِ متحدہ کی تعلیمی، علمی وثقافتی تنظیم یونیسکو کی جانب سے گلوبل ایجوکیشن مانیٹرنگ رپورٹ ۲۰۲۳ء میں دی گئی ہے اور اس پر کئی ترقی یافتہ ممالک نے عمل بھی کیا ہے اور ان ممالک میں اسکولوں میں بچوں کے موبائل فون لانے پر پابندی ہے۔ ان ممالک میں برطانیہ، آئرلینڈ، اسپین، بیلجیم اور دیگر کئی ممالک شامل ہیں۔
- بچوں اور نوجوانوں کے سوشل میڈیا کے استعمال پر مکمل پابندی عائد کی جائے اور اس کے لیے مناسب قانون سازی کی جائے۔ آسٹریلیا کی ہی مثال دیکھ لی جائے کہ وہاں پر سولہ سال سے کم عمر بچوں پر سوشل میڈیا کے استعمال پر مکمل پابندی عائد کردی گئی ہے۔
- پرائمری وسیکنڈری اسکولوں میں بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے انہیں جدید ٹیکنالوجیز سے دور رکھا جائے، اس کے لیے امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں جو قانون سازی اور پالیساں نافذ کی گئی ہیں، اُن کو دیکھ لیا جائے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی ادارے

ڈاکٹر ساجد خاکوانی
اسلام آباد

دینی مدارس کا آغاز محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا، جبکہ سیکولر تعلیمی ادارے مغربی نوآبادیاتی دورِ غلامی کی پیداوار ہیں۔ معلمِ انسانیت ﷺ نے صفہ کے چبوترے پر اصحابِ صفہؓ کی تعلیم و تربیت کا آغاز کیا، یہ وہ اصحابؓ تھے جو اپنے گھر بار چھوڑ کر حصولِ تعلیم کے لیے اس تعلیمی ادارے کے طلبہ بنے اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی بھوک اور اِفلاس سے مقابلہ کرتے ہوئے علومِ وحی کے حصول میں سرگرمِ عمل رہے۔

اصحابِ صفہؓ پر بعض اوقات ایسے حالات بھی آئے کہ نقاہت کے باعث وہ دیواروں کو تھام تھام کر چلتے، لیکن اس کے باوجود اُن کے پائے استقامت میں لرزش نہ آئی۔ جب کبھی دور دراز کا کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تو دینی مسائل سے آگاہی کے لیے اصحابِ صفہؓ میں سے کچھ نوجوان وہاں بھیج دیے جاتے جو اُنہیں جملہ امورِ معاشرت و دیگر احکاماتِ شرعیہ سے آگاہی فراہم کرتے۔

ایک بار تو دھوکے سے لے جائے جانے والے اصحابِ صفہؓ کی کثیر تعداد کو شہید بھی کر دیا گیا تھا، جس کا محسنِ انسانیت ﷺ کو بے حد قلق ہوا۔ ''صفہ'' کا سلسلہ خلافتِ راشدہ میں بھی جاری رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ''گشتی تعلیمی ادارے'' وجود میں آئے، چند علمائے دین اور اونٹنی پر دھرا سامانِ خواندگی پر مشتمل یہ ''قافلۂ تعلیم'' قبیلہ قبیلہ مطلقاً اَن پڑھ اور جاہل افراد کو تلاش کرتا اور لازمی تعلیم کے طور پر قرآن مجید کے چند حصے حفظ کراتا اور لکھنے پڑھنے کی ضروری تربیت بھی فراہم کرتا۔ دینی تعلیم کے اس ادارے نے اُمتِ مسلمہ کا عروج اور زوال دیکھا، مسلمانوں کی آزادی اور دورِ غلامی دیکھا اور عرب و عجم کے چہروں سے بھی آشنائی حاصل کی، لیکن کسی نہ کسی طرح اپنا وجود برقرار رکھا اور آج تک یہ ادارہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اور اپنا جواز بھی پیش کر رہا ہے۔

سیکولر تعلیمی اداروں کا موجد ''لارڈ میکالے'' تھا، جس نے یہ تعلیمی ادارے اس لیے بنائے کہ آزاد

قوم کے نوجوانوں کو ''آدابِ غلامی'' سکھلائے جاسکیں۔ گورے سامراج نے بڑی چابکدستی سے رزق کے دروازے صرف ان لوگوں کے لیے کھول دیے جو انہی کے قائم کردہ سیکولر تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل تھے۔ یورپی استعمار نے ان سیکولر اداروں سے وہ سرنگوں قیادت پیدا کی جس نے محض انگریزی زبان کے تفوُّق سے بدیسی حکمرانوں سے قربت جمائی اور ان کے احکامات کو اس سرزمین پر جاری وساری کیا۔ یہ ادارے آج تک اسی تہذیب وثقافت کے علمبردار ہیں اور آزادی کی فضا بھی ان اداروں کا کچھ بھی بھلا نہیں کرسکی۔ جب تک ان سیکولر اداروں کا انتظام وانصرام خود گورے کے ہاتھ میں تھا تو ان کا معیار اس لیے بہتر تھا کہ گوروں کو مہیا ہونے والی افرادی قوت دورِ آزادی کی پروردہ تھی، جبکہ آزادی کے بعد آج اس نظام پر وہ لوگ مسلط ہیں جو دورِ غلامی کے تربیت یافتہ ہیں، چنانچہ آج کے سیکولر تعلیمی ادارے جس طرح کی پسماندہ سے پسماندہ ترین ذہنیت اور اخلاقیات سے عاری نوجوان فراہم کررہے ہیں اور اس کے نتیجے میں معاشرہ جس تیزی سے تنزُّل کی طرف گامزن ہے، وہ نوشتۂ دیوار ہے، جو چاہے پڑھ لے۔

دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی اداروں میں ایک خاص فرق یہ بھی ہے کہ دینی تعلیمی اداروں نے غلامی کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا تھا، انہوں نے اپنا جداگانہ تشخص برقرار رکھا، اس کے مقابلے میں سیکولر تعلیمی ادارے مغربی یورش کے ہر حملے کے آگے لیٹتے چلے گئے، چنانچہ وہ ''گورے'' نہ بن سکنے کی شرمندگی میں اپنی اصل حقیقت سے ہمیشہ منہ ہی چھپاتے رہے۔ دورِ غلامی سے آج تک اس طبقے نے انگریزوں کے سے سوطرح کے رنگ ڈھنگ اپنائے، لیکن یہ جب بھی گوروں کے سامنے گئے احساسِ ندامت ہی لے کر پلٹے، جبکہ دینی مدارس نے اپنی مقامی تہذیب وثقافت کو دندانِ سخت جان سے دبائے رکھا اور کتنے ہی معاشی ومعاشرتی سخت سے سخت تر وار سہتے رہے، لیکن اپنی اصل سے جڑے رہے اور اپنی پہچان سے دستبردار نہ ہوئے۔ اس آزادمنش رویے نے انہیں تاریخ کے کچھ ایام میں تنہا بھی کردیا، لیکن اس نقصان کی سرمایہ کاری نے بھی انہیں کسی بھی بڑے خسارے سے محفوظ رکھا، کیونکہ آزادی کا ایک خطیر خزانہ اُن کے پہلوئے ملبوس میں موجود تھا۔

دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی اداروں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سیکولر دینی ادارے چونکہ غلامی کی پیداوار ہیں، اس لیے ان کے فارغ التحصیل نوجوان ''نوکری'' کی تلاش میں رہتے ہیں، لڑکپن سے ابتدائے شباب تک غلامی کے آداب سے روشناس نسل خود کچھ کرنے کے قابل نہیں رہتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی کسی آقا کی تلاش ان کے سر میں سمائی رہتی ہے، جس کی نوکری سے ان کا پیٹ وابستہ ہونا ہے۔ ایسے نوجوانوں سے سڑکیں اور بازار بھرے پڑے ہیں جن کے پاس لمبی لمبی ڈگریاں ہیں، لیکن جب تک آقا میسر نہ آئے ان کی غلامانہ تعلیم بے فائدہ ہے۔ اس کے مقابلے میں دینی مدرسے کا کوئی طالب علم

بے روزگار نظر نہیں آئے گا، شاید اس لیے کہ ان کے ذہنوں میں رزقِ حلال کے لیے تگ و دو کو عبادت قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ کسی بھی درجے کی محنت و مشقت سے وابستہ ہو، چنانچہ اس آسمان نے بڑے بڑے جید علمائے کرام کو حصولِ رزقِ حلال کے لیے طرح طرح کی مزدوریاں کرتے دیکھا، لیکن کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر نوکری کا منتظر رہنا اُن کے تعلیمی منہج کے خلاف تھا۔

آزادی اور غلامی کے فرق کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آزاد قومیں اپنی نسلوں کو اپنی روایات منتقل کرتی ہیں، اپنی زبان اور اپنی تہذیب وثقافت سکھاتی ہیں اور اپنے لباس اور اپنے پہناوے میں فخر محسوس کرتی ہیں اور اپنے دیسی و مقامی کھانوں کے ذائقوں سے اپنے بچوں میں اپنائیت کو نفوذ کرتی ہیں، جبکہ غلامانہ طبقات کا رویہ ان سے کلیۃً مختلف ہوتا ہے۔ ایک پروان چڑھتی ہوئی نسل جب سب کچھ اپنا سیکھے گی تو وہ سب کو اپنا سمجھے گی، اس کے مقابلے میں بدیسی لباس، بدیسی زبان، بدیسی کھانے اور بدیسی طور واطوار سیکھنے والی نسل اپنے ہی معاشرے میں اجنبی ہو جائے گی، تب وہ سیکولر تعلیمی اداروں کی پروردہ نسل اپنی اجنبیت کا انتقام لینے کے لیے عورتوں سے پرس چھیننے گی، بزرگوں کا مذاق اُڑائے گی، زوجیت اور سسرال کے تعلقات ان کے لیے محض حسِ مزاح کا باعث ہوں گے اور رشتہ دار اور مہمان اُن کے اخراجات پر بوجھ ثابت ہوں گے اور آنے والی نسل کو وہ اپنی آرام دہ اور پرتعیُّش زندگی کا دشمن سمجھیں گے۔ یہ سب غلامی کے ثمرات ہیں، جبکہ دینی مدارس کے طلبہ کو ان کی مقامی تہذیبی تعلیم وتربیت ان تمام مکروہات سے باز رکھتی ہے۔ کتنی حیرانی کی بات ہے سالہا سال اکٹھے پڑھنے والے سیکولر تعلیمی اداروں کے نوجوان نوکری کے حصول کے لیے ''مقابلے کا امتحان'' دیتے ہیں اور اپنے ہی ہم جولیوں سے اور جگری یاروں سے مقابلہ کرتے ہیں، جبکہ دینی مدارس میں ایثار اور قربانی کی تعلیم دی جاتی ہے اور دوسرے کے لیے بھی اپنے پہلو میں جگہ بنانے کو پسند کیا جاتا ہے۔

سیکولر تعلیمی اداروں نے تعلیم جیسے شیوۂ انبیاء علیہم السلام کو کاروبار کی شکل دے دی ہے۔ سیکولرازم نے استاذ کو باپ کے درجے سے گرا دیا ہے اور شاگرد کو بیٹے کے مقام سے محروم کر دیا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ استاذ نے دکاندار کی شکل اختیار کر لی ہے اور شاگرد کی حیثیت بازار میں گاہک کی سی ہو چکی ہے۔ اعلیٰ انسانی اَقدار کو چند بے حقیقت سکوں کی بھینٹ چڑھانا اس سیکولر تعلیمی اداروں کا ماحاصل ہے۔ اور خاص طور پر مخلوط تعلیم نے تو استاذ اور شاگرد کے تعلق کے ساتھ ساتھ ماحول کو جس قدر آلودہ کر دیا ہے، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان اعلیٰ انسانی معاشرتی اقدار کا مشاہدہ کرنا ہو تو دینی تعلیمی ادارے اس کی زندہ مثال پیش کرتے ہیں، جہاں آج بھی استاذ کا کردار سگے باپ سے بڑھ کر ہے اور شاگردوں کے درمیان مسابقت کا جذبہ موجود ہے کہ کون استاذ سے زیادہ شاباش حاصل کرتا ہے۔ دور دراز دیہاتوں، وادیوں اور جزیروں

میں جہاں سیکولر تعلیمی اداروں کی جہالت عنقا ہے، وہاں تو تعلیم صرف دینی تعلیم کے نام سے جانی جاتی ہے، کتاب کا عنوان صرف قرآن مجید پر صادق آتا ہے اور قیادت صرف اُسوۂ حسنہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ہی نام ہے، چنانچہ وہاں آج بھی انسانیت موجود ہے، تہذیبی وثقافتی شعائر موجود ہیں اور نسوانیت اپنی اصلی اور فطری شکل میں نظر آتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دینی مدارس کے باعث ہی امت مسلمہ نے غلامی کا طوق اُتار پھینکا ہے اور آزادی کے سفر میں ارتقاء بھی انہی اداروں کا مرہونِ منت رہے گا۔ غلامی نے جہاں پوری اُمت کو داغدار کیا ہے وہاں باوجود سعی وجستجو کے دینی تعلیمی ادارے بھی کہیں نہ کہیں اس کا شکار ہوئے ہیں۔ نصابات اور طرق تدریس میں عصری تقاضوں کی اہمیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ گزشتہ ایک عرصہ سے دینی تعلیمی اداروں نے سیکولرازم کے وار سہے ہیں اور اپنا دفاع کرتے رہے ہیں اور آج تک اپنا وجود وجواز باقی رکھے ہوئے ہیں، جبکہ سیکولر تعلیمی ادارے اپنا جواز کھو چکے ہیں اور انہوں نے قوم کو پژمردہ، مفلوج، ذہنی پسماندہ، اغیار سے شکست خوردہ اور مایوس کن افرادی قوت فراہم کی ہے۔ سیکولر تعلیمی اداروں کا اخلاقی انحطاط اب ایک جھٹکا بھی سہ جانے کے قابل نہیں رہا۔ آزادی کے بعد غلامی کی اس باقیات کو بھی جڑ سے اُکھیڑ پھینکنا چاہیے۔ اللہ کرے کہ وطن عزیز کو بیدار مغز قیادت میسر آئے، تاکہ غلامی کے منحوس سائے چھٹ سکیں اور پاکستان پوری امت کو اور پوری دنیا کو ایک شاندار قیادت فراہم کر سکے، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عالمِ اسلام اور استشراق

مولوی شبیر ثاقب
متعلم دورہ حدیث، جامعہ

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فرنگی استعمار نے ہم مسلمانوں کے درمیان ایک ایسی جماعت تشکیل دی ہے جن کا مقصدِ شنیع، اسلام کو زوال وپستی کی جانب دھکیلنے کی ناپاک جسارت ہے، جن کے قلوب ''أصابع الرحمٰن'' کے بجائے ''أصابع الشیطان'' کا مصداق بنتے ہیں، وہ اپنے مخصوص ناپاک عزائم کے لیے اسلام کی غیر حقیقی اور مسخ شدہ تصویر پیش کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ عالمِ اسلام کے اکثر زعماء وپیشوا جنہوں نے اعلیٰ مغربی درسگاہوں میں تعلیم پائی، اپنی ذہنی فکری آبیاری وہیں سے کرتے رہے۔ مزید برآں ان کے ذہنوں میں اس قدر تعفُّن رچ بس گیا کہ اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی، حال کی طرف سے بیزاری اور مستقبل کی طرف سے مایوسی نے ان کو اصلاحِ مذہب پر مجبور کردیا۔ ان تمام تر نامساعد سازشوں میں سے اور مختلف مقاصد میں سے ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام کو لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ان کی نگاہوں میں اسلام کی قدر ومنزلت نہ رہے اور انسانی جدید تہذیب، ترقی میں اسلام کو مزاحم اور حاجب سمجھے اور مسلمانوں کو اپنے دین واسلام کے متعلق اس قدر متنفر اور متردّد بنادیا کہ اسلامی اخلاقی اقدار وروایات کو مغربی اقدار وتہذیب کے مقابل میں فروتر محسوس کرنے لگے اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اسلامی اَساسی اصول واَقدار کی یگانگی نے انہیں مغربی تہذیب واَقدار اور عہدِ جدید کے تقاضوں سے بیگانہ کردیا جو کہ تنگ نظری اور رجعت پسندی ہے۔

یہ فتنہ پرداز اور ناعاقبت اندیش جماعت روزِ اول سے اسلامی روایات وعقائد کے متعلق ایسے شکوک وشبہات اور ملال پیدا کرتے ہیں کہ جس سے ایک کمزور عقیدہ سادہ لوح مسلمان کے ایمان کا جنازہ نکل جائے، اس جماعت کو عام طور سے مستشرقین کہا جاتا ہے جو اپنے علمی تبحر واُشغال سے گہری وابستگی کی بنا

پر مغرب ومشرق کے علمی، سیاسی، سماجی حلقوں میں اِکرام وتعظیم کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے علم و تحقیق کو اور دلائل وشواہد کو قولِ فیصل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس استشراق کی تاریخ بہت پرانی ہے، وہ تیرہویں صدی کے اوائل سے اپنے مذموم عزائم کی ابتدا کرتے ہیں، جن محرکات میں سے دینی محرکات، سیاسی محرکات، سماجی محرکات پیش پیش ہیں، ان کا بڑا مقصد مذہبِ عیسوی کی اشاعت وترویج ہے اور اسلام کو اس انداز سے پیش کرنا کہ مذہبِ مسیحیت کا تفوُّق خود بخود ثابت ہوجائے اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ ایک ایسی جماعت ہے کہ قرآن وحدیث، سیرتِ نبوی اور اَساسی فقہی اصول اور اسلامی روایات واَقدار میں گہری نظر اور جامع معلومات رکھتے ہیں، اس کے باوجود اخلاقی روحانی فائدہ نہیں اُٹھا سکے، کیونکہ ان کے قلب و جاں پر کوئی انقلابی اثر ہی نہیں پڑا اور یہ بدیہی سی بات ہے کہ نتائج ہمیشہ مقاصد کے تابع ہوتے ہیں، اگر مقاصد میں حسنِ نیت اور خلوصِ نیت شامل ہو تو اچھے ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

طریقۂ واردات

یہ ناعاقبت اندیش جماعت اکثر ایک برائی بیان کرتے ہیں اور اس کو دماغوں میں بٹھانے کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے ممدوح کی دس خوبیاں بیان کرتے ہیں، تاکہ پڑھنے والے کا ذہن ان کے انصاف، وسعتِ قلبی، بے تعصبی سے مرعوب ہوکر ایک برائی کو قبول کرلے، ان کے ناپاک عزائم میں سے بنیادی مقصد اسلامی عقائد ونظریات پر طنز وتعریض ہے، مثلاً وہ وحی پر کلام کرتے ہوئے وحی کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھالنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں اور اس کو عقل سے ماوراء اور مستغرب سمجھتے ہیں اور وحی کو رسالت مآب ﷺ کی داخلی کیفیت سے تعبیر کرتے ہوئے نفس الامر خارج میں حسی نزولِ وحی کا انکار کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اعجاز القرآن کی بھی لامحالہ نفی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ تمام ذخیرۂ احادیث کو فرضی جعل سازی پر محمول کرتے ہیں۔

مستشرقین عالمِ اسلام کو جدید تقاضوں کی طرف بلاتے ہیں، مغربی تہذیب واَقدار کو معیار بنا کر پیش کرتے ہیں اور اسلامی نظریات وعقائد کو فرسودہ خیالی، رجعت پسندی پر محمول کرتے ہیں۔

اس وقت موجودہ عالم اسلام کے زعماء وارباب اختیار حکمران عمومی طور سے مغرب کے زیرِ اثر ہیں، جو اسلام سے دستور اور شریعت کا عنصر نکالنے کے درپے ہیں۔ ماضی قریب میں مصطفیٰ کمال اتاترک جو کہ عالم اسلام کے زعماء طبقے کے معیار وآئیڈیل تھے، موصوف سرزمینِ ترک میں مغربی افکار وتہذیب کے امین اور مغربیت کے سب سے بڑے نقیب تھے۔ موصوف کے زعم میں ترقی اس وقت تک ممکن نہ تھی جب

تک کہ اسلام کے اثر ونفوذ کو ختم نہ کیا جائے، ان کے زعم میں اسلامی روایات واُصول، رجعت پسندی اور فرسودہ خیالی کا مظہر ہیں، جو کہ انسانی جدید ترقی کے لیے مانع ہیں، اس پر مستزاد یہ ہے کہ جدید سائنسی دور میں فنونِ لطیفہ کے حصول کے لیے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا اشد ضروری ہے۔

صد افسوس کہ موجودہ عالم اسلام کے زعماء، حکمران طبقہ، اربابِ اختیار، مغرب اور استشراق کے زیر اثر نہ رہتے تو مظلوم فلسطینی مسلمانوں کے درد سے ان کے سینے شعلہ زن ہوتے، کبھی پسپائی، ہزیمت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ دینی حمیت وغیرت، اسلام کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ کبھی ماند نہ پڑ چکا ہوتا اور ان مغرب زدہ حکمرانانِ اسلام کا اسلامی روایات سے تجاہل اور اِغماض برتنا محض اقتدار، دنیا طلبی، کیف وسرور کی خاطر ہی ہے۔

کاش! حکمرانِ اسلام حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کو تاریخ کے اوراق میں سطحی نظر سے پڑھ لیتے، مردِ مجاہد اپنی والدہ کے ایما پر مظلوم کی آواز بن کر بغیر آلاتِ حرب کے ظالم جابر سفاک حجاج بن یوسف اور حصین کا بے خوف وخطر ڈٹ کر مقابلہ کیا، نہ اَفرادی قوت دیکھی، نہ آلاتِ حرب کو دیکھا، محض مظلوم کی آواز بن کر اہلِ حرم کا محافظ بن کر، دینی مجاہد بن کر اپنے اکابرین صحابہؓ اور پیغمبرانہ اسلوب کا امین بن کر، مردِ مجاہد سربکف بن کر سرنگوں ہونے کے بجائے نظام باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہی وہ ثمرہ ہے کہ میرا قلم وقرطاس ان کی شجاعت ودلیری سے رطب اللسان ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عربی زبان وادب کے اصولِ تدریس وضوابط

مولانا ارشاد احمد سالارزئی
استاذِ جامعہ

تأثرات، گزارشات (دوسری قسط)

الطريقة العصرية کا طریقۂ تدریس

سبق کی تیاری

❶- الطريقة العصرية پڑھانے والا استاذ عربی زبان کی تعلیم کے لیے مروجہ بیشتر کتب اپنے مطالعہ میں رکھے؛ تاکہ اس کی معلومات اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا رہے، اس موضوع پر روزمرہ جملوں اور تعبیرات کے لیے اہم حوارات، اور جدید مفردات جاننے کے لیے استاذ مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب حفظہ اللہ کی ''القاموس الصغير''، اسی طرح ''القاموس المصور'' وغیرہ مطالعہ میں رکھیں۔

❷- استاذ صاحب پہلے سے سبق کا گہرا مطالعہ کرے، اور اس کے نئے کلمات کو حفظ کرلے۔

❸- استاذ جدید کلمات کے معانی جاننے کے لیے معاجم وقوامیس کا استعمال ضرور کرے، اور عربی سے اردو کے لیے ''القاموس الوحيد، القاموس الجديد'' جبکہ عربی سے عربی جاننے کے لیے ''المعجم الوسيط'' سے استفادہ کرے اور انٹرنیٹ میں المعاني کے نام سے عربی سے عربی، اور عربی سے اردو جاننے کے لیے دیکھنا مفید ہے۔

❹- روزِ اول سے عربی میں سبق پڑھانے کی کوشش کرے، اگر طالب علم شروع میں پورے جملے نہ سمجھ سکے تو کوئی حرج نہیں، اس کی وجہ سے عربی میں گفتگو ترک نہ کی جائے، رفتہ رفتہ تمام طلبہ عربی جملوں کے عادی بنیں گے اور رکاوٹ ختم ہوگی۔

سبق کے مراحل

①- ہر سبق کے ''معانی الکلمات'' سبق سے ایک دن پہلے طلبہ کو گھر میں یاد کرنے کے لیے

دیے جائیں۔

② - اگلے دن سب سے پہلے ''معاني الكلمات'' تمام طلبہ سے سنے جائیں، اس کے بعد گزشتہ دن کی تمرین سنی جائے۔

③ - استاذ صاحب مشکل یا نئے جملوں کا ترجمہ مفردات کی صورت میں کرے، پورے پورے جملوں کا ترجمہ نہ بتائے، تاکہ وہ خود سمجھنے کی کوشش کریں، اس کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ حوار میں آنے والے جدید الفاظ جو معانی الکلمات میں نہ ہوں، وہ اس میں قلم سے لکھوائیں اور ان کے معانی بھی کتاب کے معاني الكلمات کے ساتھ یاد کرائے جائیں، تاکہ حوار سمجھنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

④ - کتاب میں دیا ہوا حوار تین بار طلبہ کو پڑھایا جائے، اس طور پر کہ استاذ پڑھے اور طلبہ اس کے ساتھ پڑھتے رہیں، اس کے بعد پانچ منٹ کے لیے دو دو طالب علموں کی جوڑیاں بنائیں، تاکہ سب حوار ایک دوسرے کے ساتھ دہرائیں، حوار میں آئے ہوئے مشکل یا جدید کلمات کو اشارے سے یا پھر مفردات کے ترجمہ سے سمجھا دیئے جائیں۔

⑤ - اس کے بعد سبق سے متعلق بیان کردہ قاعدہ سمجھایا جائے، پھر تمرینات پڑھائے جائیں، اور اس کا ترجمہ طلبہ سے نکلوانے کی کوشش کی جائے۔

⑥ - کتاب کی تمرینات حل کرنے کے لیے ہر طالب علم سے کاپی بنوائی جائے اور استاذ روزانہ کے اعتبار سے تمام طلبہ کی کاپیوں کی تصحیح سرخ قلم سے کیا کریں، اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو تو اجمالی طور پر تمام طلبہ کی کاپیاں دیکھ لیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان میں سے کس نے تحریری تمرین حل کی اور کس نے نہیں کی، اور کاپیوں کی تفصیلی تصحیح کے لیے طلبہ کو تقسیم کریں۔ روزانہ غیر معین طور پر مخصوص تعداد میں طلبہ کی کاپیاں چیک کیا کریں؛ تاکہ ہر ایک کی کاپی چیک ہو سکے، ذہین طلبہ سے بھی باقیوں کی کاپی چیک کروا سکتے ہیں۔

⑦ - ہر سبق کی تمرین اپنے سامنے حل کروائیں، تمرین اور مشکل الفاظ پر زیادہ محنت ہو، اردو سے عربی اور عربی سے اردو تمرین پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

⑧ - عربی کو عربی رسم الخط میں لکھنا سکھائیں، املائی غلطیوں کی اصلاح کریں، جو لفظ غلط لکھا ہوا ہو اس کو ۱۰-۱۵ بار لکھوایا جائے، تاکہ دوبارہ یہ غلطی نہ ہو۔

⑨ - عربی عبارت کو صحیح پڑھنے اور عربی الفاظ کے صحیح تلفظ کا بھرپور اہتمام کریں، عموماً تلفظ کی تصحیح پر توجہ کم یا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، جس کی وجہ سے طالب علم عربی لہجہ نہیں سیکھ سکتا۔

⑩ - استاذ کلاس میں روزمرہ کی زندگی سے متعلق جملوں کا استعمال کرے، اس کے لیے مختلف کتب (لغة المسلم وغیرہ) مطالعہ میں رکھے۔

⑪- ہر طالب علم واجب المنزل کے طور پر فارغ اوقات میں دو کام کرے:

الف- اگلے سبق کے معاني الكلمات یاد کرنے ہیں۔

ب- گزشتہ سبق کی تمرین مکمل لکھ کر یاد کرنی ہے۔

⑫- وقتاً فوقتاً طلبہ کے درمیان حوار اور مکالمہ کرایا جائے اور استاذ خود زبانی تصحیح کرائے، کچھ اہم جملے بورڈ پر لکھوا کر ان کا تلفظ بار بار کرایا جائے۔

القراءة الراشدة کا طریقۂ تدریس

عربی زبان سیکھنے کے لیے چار چیزوں میں مہارت پیدا کرنا ضروری ہے، جو کہ المهارات الأربع کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک چیز عربی عبارت اور عربی زبان کو صحیح تلفظ اور اچھے لب و لہجے کے ساتھ پڑھنے پر قادر ہونا ہے، جسے عرب کے لوگ ''القراءة'' سے تعبیر کرتے ہیں، قراءت پر کامل دسترس کے بغیر عربی زبان سیکھنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

قراءت سکھانے کے لیے علماء عرب نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں، جو ان کے حالات اور ماحول کو دیکھ کر لکھی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں برصغیر میں ایک زمانے میں عرب کی کتابیں اس غرض کے لیے پڑھائی جاتی تھی، مگر وہ یہاں کے ماحول اور حالات سے مختلف تھی، جس سے قراءت کا فائدہ تو ہوسکتا تھا، لیکن قراءت سے ہٹ کر برِصغیر کے تمدنی فوائد اس سے حاصل نہیں ہوتے تھے، چنانچہ علماء ہندوستان نے اس پر غور وخوض کیا اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ آسان اور سلیس عربی میں یہاں کے حالات کو دیکھ کر ایک کتاب لکھی جائے، جس میں قراءت کے ساتھ ساتھ مذہبی رنگ غالب ہو اور طلبہ کی تربیت میں مفید بھی۔ سب سے پہلے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے القراءة الراشدة تالیف فرمائی۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ اس کتاب کا مقصد اساتذہ کی نظروں سے اوجھل ہوگیا، جس سے طریقۂ تدریس میں خرابیاں پیدا ہوئیں، نتیجہ یہ ہوا کہ جس فائدہ کے حصول کی خاطر کتاب تالیف کی گئی تھی، وہ فوت ہوکر رہ گیا، اور یہ کتاب محض ایک ترجمہ کی کتاب رہ گئی، اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے تذکیر کے طور پر یہاں ''القراءة الراشدة'' کا طریقۂ تدریس تحریر کیا جاتا ہے۔

کتاب کے اہداف ومقاصد

❶- اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو روانی کے ساتھ صحیح تلفظ کے ساتھ عربی عبارت پڑھنا آجائے۔

❷- اس سے عربی تعبیرات اور عبارات کا فہم حاصل ہوسکے۔

❸ - اس کے ذریعہ عبارت روانی کے ساتھ پڑھنے کی ایسی عادت پڑے کہ اعرابی غلطیاں مکمل طور پر ختم ہو جائیں۔

❹ - اس کتاب سے جدید اسماء و افعال اور تعبیرات کا استعمال سیکھنا، اور مختلف اَسالیب کلام کو اپنی ضرورت کے جملوں میں ڈھال کر لکھنا اور بولنا آنا چاہیے۔

❺ - طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو کہ وہ پورے نص کو پڑھ کر اس کا خلاصہ عربی میں اپنے الفاظ میں بیان کرنے پر قادر ہو جائے۔

سبق کی تیاری کا مرحلہ

① - استاذ پہلے سبق کے پورے نص کا تفصیلی مطالعہ کرے، قوامیس کی مدد سے جدید الفاظ کا حل نکالے، عبارت میں صرفی نحوی غلطی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

② - پورے سبق کا مفہوم اور خلاصہ ذہن میں محفوظ کریں۔

③ - تمام افعال کے ابواب صحیح طور پر جاننے کی پوری کوشش کریں، خصوصاً ثلاثی مجرد کے ابواب اور اُن کے مصادر، تاکہ طلبہ کو کسی فعل کا غلط باب نہ بتائیں۔

④ - ہر سبق کے آخر میں دیے ہوئے سوالات کے جوابات عربی میں خود حل کریں اور طلبہ سے بھی عربی میں ہی حل کرانے کی کوشش کی جائے۔

⑤ - نئی تعبیرات کا استعمال ذہن میں رکھیں، اور کتاب سے ہٹ کر بھی اپنی طرف سے دو تین عام جملوں میں اسے استعمال کریں۔

سبق پڑھانے کے مراحل

① - یہ کتاب بھی امکان کی حد تک تدریس کی زبان عربی ہو، اگر ضرورت ہو تو اردو سے مدد لی جاسکتی ہے۔

② - پہلے تمام طلبہ سے باری باری بغیر ترجمہ کے عبارت پڑھوائی جائے، اگر تعداد زیادہ ہو تو ہر طالب علم سے دو تین سطریں پڑھوائیں، اس میں تلفظ اور لہجہ کا انہیں پابند بنائے۔

③ - اس کے بعد ترجمہ کرادے، ترجمہ میں یہ یاد رکھیں کہ سارا ترجمہ خود بالکل نہ کرائے، بلکہ طلبہ سے ہی ترجمہ کرانے کی کوشش کیا کرے۔ ترجمہ میں کوشش یہ ہو کہ بالکل سلیس ترجمہ کرایا جائے اور اس کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے۔

④ - کتاب میں مذکور نظموں کے ترجمہ پر خصوصی توجہ رہنی چاہیے، اس کے ساتھ ساتھ اس کی نحوی تراکیب بھی بتادینی چاہئیں، تاہم یاد رہے کہ نحوی ترکیب میں زیادہ وقت صرف نہ کیا جائے، تاکہ کتاب کا مقصودِ اصلی فوت نہ ہوجائے۔

⑤ - کتاب کی نظمیں زبانی یاد کرادی جائیں تو بہتر ہے، تاکہ اس سے لغت میں فائدہ ہو اور عربی ذوق کی ترقی ہوسکے۔

⑥ - سبق کا ترجمہ کرانے کے بعد پہلے ان کو سبق میں آنے والے نئے کلمات کی نشاندہی کیجیے، اگر مفرد اسم ہو تو اس کی جمع، جمع ہو تو اس کا مفرد بتادیا جائے یا قاموس سے نکلوایا جائے، اسی طرح اگر کوئی نیا فعل سبق میں آجائے تو اس کا باب اور مصدر ضرور بتادیا جائے۔

⑦ - ترجمہ اور جدید کلمات نکلوانے کے بعد سبق میں آئی ہوئی جدید تعبیرات متعین کریں، پھر اس کے طرز پر طلبہ کو دو تین مثالیں بتادیں، پھر ان سے اس جیسی مثالیں کہلوائیں اور اس کے بعد اسے کاپیوں میں لکھوانے کا کہہ دیں، اس سے طلبہ کی تحریری صلاحیت اُجاگر ہوگی، اور اس سے اُنسیت پیدا ہوگی، روزانہ کے سبق میں چند تعبیرات ضرور نکلوایا کریں، یہاں اس کی چند مثالیں لکھ دی جاتی ہیں:

❶ - لمّا بَلغتُ السابعةَ من عُمري **(جب میں اپنی عمر کے ساتویں سال کو پہنچا)**

اس تعبیر میں تغیر وتبدل کرکے اس طرح کے کئی جملے بولے جاسکتے ہیں، جیسے:

أ- لمّا بلغ أخي التاسعةَ من عمرِه التحق بالمدرسة

جب میرا بھائی نو سال کی عمر کو پہنچا تو مدرسہ میں داخل ہوا۔

ب- حفظتُ القرآن حين بلغت الحادية عشرة

جب میں گیارہ سال کا ہوا تو میں نے قرآن حفظ کرلیا۔

ج. لمّا بَلَغَ الولدُ العشرين من عمرِه بدأ يشتغل بالتجارة

جب لڑکا بیس سال کا ہوا تو تجارت میں مصروف ہوگیا۔

❷ - أريدأن اشتريَ شيئًا من الفواكه: **(میں کچھ پھل خریدنا چاہتا ہوں)**

اس تعبیر کی طرز پر بھی متنوع جملے بن سکتے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

أ- أريد أن أذهب إلى المكتبة التجارية: میں تجارتی کتب خانہ جانا چاہتا ہوں۔

ب- أردتُ البارحة أن أنام مبكرا ولكن لم أستطع: کل رات میں نے چاہا کہ جلدی سوجاؤں، لیکن نہ سوسکا۔

ج- أريد أن أتعلم قيادة السيارة: میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتا ہوں۔

❸- تَعَلَّمنَا السباحةَ ونحنُ صغارٌ: **(ہم نے تیراکی سیکھی، جبکہ ہم چھوٹے تھے)**

اس تعبیر میں پہلا جملہ فعلیہ ہے، دوسرا جملہ اسمیہ ہے، جو کہ پہلے جملہ سے حال بن رہا ہے، اور درمیان میں واؤ حالیہ ہے، اس طرز کی تعبیرات کا استعمال ہوتا ہے۔

أ- سَافرتُ إلٰى لاهور بالحافلة وأنا نائم: میں نے بس میں سوتے ہوئے لاہور کا سفر کیا۔

ب- تَعلَّمْنَا العربيةَ ونحن صغارٌ: ہم نے عربی سیکھی، جبکہ ہم چھوٹے تھے۔

ج- نُقِلَ المريضُ إلى المستشفى وهو مُغمًى عليه: بیمار ہسپتال منتقل کیا گیا اس حال میں کہ وہ بے ہوش تھا۔

❹- يَسُرُّني أن أُسَاعِدَكَ: **(مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے کہ آپ کی مدد کروں)۔**

اس فعل کا فاعل عموماً مصدر مؤول کی صورت میں آتا ہے، جیسے: يَسُرُّني أن أُسَاعِدَكَ. اس کی اصل یوں ہے: يَسُرُّني مُساعَدَتُكَ.

أ- يَسُرُّني أن أَخدِمَ الأساتذةَ:

مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے کہ اساتذہ کی خدمت کروں۔

ب- سَرَّني أنَّكَ تَخَرَّجْتَ في الجامعة:

آپ کی جامعہ سے فراغت پر مجھے خوشی ہوئی۔

ج- يَسُرُّني أن أَزُورَ الأقاربَ:

مجھے رشتہ داروں کی ملاقات سے خوشی ہوتی ہے۔

اس فعل کو زیادہ مجہول بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے:

أ- سُرِرتُ بأنَّكَ أخذتَ مرتبةَ الشرَف في الامتحان:

مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ آپ نے امتحان میں پوزیشن لی۔

ب- سُرَّ الوالدُ بأنَّ الأولادَ صالحون:

والد کو اس سے خوشی ہوئی کہ لڑکے نیک ہیں۔

ج: سُرَّ التلاميذُ بأنَّ العطلةَ قريبة:

طلبہ اس سے خوش ہوئے کہ چھٹی قریب ہے۔

⑧- ثلاثی مجرد کے ابواب اور ان کے مصادر سماعی ہیں، چنانچہ ہر باب کا الگ مصدر آتا ہے، اسے ضبط کرنا اور صحیح باب اور مصدر یاد رکھنا ایک مشکل امر ہے، لہٰذا شروع دن سے طلبہ کو ثلاثی مجرد کے ابواب اور ان کے مصادر یاد کرائے جائیں۔ **(جاری ہے)**

استاذ الحدیث حضرت مولانا غلام محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

والد ماجد محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد و چچا سسر اور حضرت مولانا شیر محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ (سکھر) کے چھوٹے فرزند، جامعہ انوار العلوم سکھر کے استاذ الحدیث، راسخ عالمِ دین، درویش صفت، صوفی منش، زہد پسند شخصیت حضرت مولانا غلام محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۷ جنوری ۲۰۲۴ء بروز جمعہ نمازِ جمعہ سے کچھ دیر قبل تقریباً ۷۸ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطى، وكل شيء عندهٗ بأجل مسمى.

میں نمازِ جمعہ کی تیاری میں مصروف تھا کہ برادرم مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہٗ نے فون پر اطلاع دی کہ چچا جان مولانا غلام محمد تائبی صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے، ہسپتال لائے ہیں، پھر نمازِ جمعہ سے کچھ دیر پہلے دوبارہ اطلاع کی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ میرے نانا حضرت مولانا گل محمد رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور میری والدہ ماجدہ دام ظلہا کے چچا تھے، رشتہ میں نانا ہونے کے ناطے مجھ سے نواسوں کی طرح مخلصانہ محبت فرماتے تھے، بچپن سے جہاں دیگر کئی حضرات نے بندہ کی سرپرستی فرمائی اور شفقت کا ہاتھ رکھا، انہی میں حضرتؒ بھی شامل ہیں۔ آپؒ کے والد ماجد استاذ العلماء حضرت مولانا شیر محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ننھیال کی وہ شخصیت ہیں جن سے والد ماجد محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلے ملاقات ہوئی اور وہی ملاقات ہمارے ننھیال سے والد ماجدؒ کے تعلق کا ذریعہ بنی۔ حضرت مولانا غلام محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۹۴۸ء میں ''گڑھی یاسین، تائب'' میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد استاذ العلماء حضرت مولانا شیر محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، بعد ازاں پاکستان کے مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم رہے۔ دورہ حدیث کے لیے جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے، یہاں انہوں نے والد ماجد حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی میں علومِ دینیہ کا سفر مکمل فرمایا۔ سن فراغت ۱۹۶۹ء ہے۔

رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے جامعہ انوار العلوم سکھر میں اپنے بڑے بھائیوں: میرے نانا حضرت مولانا گل محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد انور تائبی دامت برکاتہم کے زیر سایہ مدرسے کا نظام سنبھالا۔

آپ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد انور صاحب کے دست راست تھے۔ نہایت ہی شفیق طبیعت کے مالک تھے اور طلباء واساتذہ کے ساتھ بڑا ہی نرم رویہ اختیار کرتے تھے۔ انتظامی معاملات کے علاوہ آپ کی تدریسی خدمات بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کو مختلف کتابوں پر مہارت حاصل تھی، جن میں ہدایہ ثالث اور ترمذی شریف سرفہرست ہیں اور رحلت سے ایک دن قبل بھی آپ ان کے درس میں مشغول تھے۔ اس کے علاوہ آپ طریقت میں بھی بے مثال تھے، گویا بہت سے مریضوں اور حاجت مندوں کو یتیم کر کے چلے گئے۔ آپ کو جامعہ علوم اسلامیہ سے بھی بڑی وابستگی تھی، جوانی سے بزرگی تک جامعہ میں آتے اور اپنی بھتیجی میری والدہ محترمہ اور مجھ پر دست شفقت رکھتے ہوئے دعاؤں کی دولت سے نوازتے تھے۔ ہمارے بہنوئی حضرت مولانا محمد انور بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کا خاص تعلق اور دوستانہ تھا۔ جامعہ سے تعلق کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ شروع سے تادمِ آخر مستقل ماہنامہ بینات کے قاری رہے، باقاعدہ خریدار تھے اور پابندی سے مطالعہ فرماتے تھے۔

آپ اپنے والد ماجد استاذ العلماء حضرت مولانا شیر محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح صفتِ ابوذری رضی اللہ عنہ سے متصف، ''کن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل'' پر عمل پیرا قناعت وزہد کا پیکر تھے۔ کھانا بہت کم کھاتے تھے، خوراک قوت لایموت کی حد تک تھی۔ انتہائی سادہ کھانا کھاتے تھے اور عموماً مرغن غذاؤں سے پرہیز کرتے تھے۔ ہمارا ننھیال الحمد للہ علمی اور دینی خاندان ہے، اور ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے۔ حضرت مولانا غلام محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد استاذ العلماء حضرت مولانا شیر محمد تائبی رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت بڑے بزرگ، صوفی منش، درویش صفت راسخ عالمِ دین تھے، جس کی گواہی والد ماجد محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی وفات پر لکھے گئے مضمون میں یوں دی ہے:

> ''مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ کے ایک مشہور اور معمر عالم دین مولانا شیر محمد صاحب نے ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہی، موصوف سندھ کے محقق عالم، متواضع درویش اور منکسر المزاج بزرگ تھے، باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے امام تھے، مسائلِ صرف اور دقائقِ نحو سے شغف کیا عشق تھا، علم صرف میں ایک عمدہ کتاب کے مصنف تھے اور سکھر میں دینی درس گاہ کے مؤسس تھے، موت بھی عجیب واقع ہوئی، ۲۴/ رمضان کی صبح کو غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کیے، گویا سفر کی تیاری ہے، دن بھر روزہ رہا، قبل افطار زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، معمولی علالت کا سلسلہ پہلے ہی سے چلا آ رہا تھا، کچھ وصیتیں فرمائیں، افطار کے وقت غنودگی بڑھ گئی، جس کی وجہ سے روزہ افطار نہ ہوسکا، بالآخر نصف شب ۲۵/ رمضان کو روح قفس عنصری سے ''اللہ! اللہ'' کہہ کر پرواز کرگئی، إنا لله وإنا إليه راجعون. سبحان اللہ! موت کیا تھی، گویا زندگی کا رخ دنیا سے عالم آخرت کی طرف مڑ گیا اور طرفۃ العین میں عالم فانی سے کٹ کر عالم آخرت سے جڑ گئے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دعا گو تھے۔'' (یادِ رفتگاں، ص: ۴۴، ۴۵)

اسی طرح کی درویش صفت ہستی ہمارے نانا حضرت مولانا گل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جن کی وفات پر والد ماجد محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ’’ماہنامہ بینات‘‘ میں یوں تحریر فرمایا تھا:

’’یوم الجمعہ ۲۱؍ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ، دسمبر ۷۵ء کو میری دوسری اہلیہ کے والد ماجد مولانا گل محمد صاحب، سکھر میں واصل بحق ہوئے، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون. مرحوم کے اخلاص، کرمِ نفس، جود وسخا، ہمت ومردانگی، جفاکشی، غیرتِ دینی، مکارمِ اخلاق کا مجھے پہلے سے علم ہو چکا تھا، دوسالہ تعلق کے عرصہ میں اُن کے اوصافِ حمیدہ کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا، طویل ترین علالت کے دوران اُن کی استقامت وصبر کو دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر میں دق وسل جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے، لیکن کیا مجال کہ ان کی خوش خلقی اور صبر وتحمل میں ذرا بھی فرق آیا ہو، کبھی اپنی تکلیف کی کسی سے شکایت نہیں کی، حکایتِ حال کے طور کچھ زبان پر کبھی آیا تو آیا۔ خواص میں اس قسم کے کمالات ہوں تو زیادہ تعجب نہیں ہوتا، لیکن عوامِ امت میں ایسی قابل رشک صفات یقیناً باعث تعجب ہیں۔ حق تعالیٰ کی اس مخلوق کے گمناموں میں نامعلوم کتنے اولیاء اللہ ہیں جن کا کسی کو علم نہیں، اگر مشاہیر میں یہ کمالات ومحاسن موجود ہوں جب بھی قابل قدر ہیں، لیکن غیر مشہور گمنام شخصیتوں میں اس قسم کے محاسن حیرت افزا ہیں ...... مرحوم انوار العلوم سکھر کے روحِ رواں تھے، اس کی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں تھے۔ ...... بیماری وعلالت میں کبھی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، جس رات صبح کو وفات مقدر تھی اشارے سے تہجد پڑھی اور سورۂ رحمن وسورۂ یس کی تلاوت کی اور تبسم کیا، تیمارداروں کو الوداع کہا، سب کو صبر کی تلقین کی، جزع وفزع اور آہ وبکاء رو کنے کی وصیت کی، جمعہ کی صبح اذان کے بعد بھائیوں اور بیٹوں کو نماز کے لیے جانے کا حکم دیا اور اس دوران ان کی روح ملأِ اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون.‘‘ (بصائر وعبر، ج:۲، ص:۵۲۳، طبع: مکتبہ بینات)

بہرحال حضرت مولانا غلام محمد تابی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اسلاف اور پیش روؤں کی طرح کی ایک عظیم شخصیت تھے، جن سے ہم محروم ہو گئے، اس خلا کو تو کوئی پُر نہیں کرسکتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور اُن کے دیگر اَخلاف کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

۱۶؍ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ بروز جمعہ، خطبۂ جمعہ سے ذرا پہلے وضو کے دوران طبیعت ناساز ہوئی، اللہ ھُو کا ورد شروع کیا، ہسپتال لے جایا گیا، کلمہ شریف پڑھنے کے ساتھ روح پرواز کرگئی، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، پسماندگان میں تین بیٹے اور چھ بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، درجات بلند فرمائے، لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین بجاہ النبي الأمي الکریم، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین.

حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی رہنما اور شعبہ تبلیغ کے ناظم، سرائیکی زبان کے نامور خطیب ورفیقِ امیرِ شریعت حضرت مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ کے فرزند اور دارالافتاء جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سینئر مفتی حضرت مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن مدظلہ کے برادرِ کبیر، وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ کے رکن، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بہاول پور کے امیر، دارالعلوم مدنیہ بہاولپور کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ۹ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۰ رجنوری ۲۰۲۵ء بروز جمعرات عارضۂ قلب کی بنا پر انتقال کر گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطى وكل شيئ عندهٗ بأجل مسمّى !

آپ کا نسب عرب کے مشہور اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنوتمیم سے جاملتا ہے۔ آپ ۱۹۴۷ء میں لودھراں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۵ء تا ۱۹۶۵ء جامعہ سراج العلوم لودھراں اور دارالعلوم کبیر والا میں دینی تعلیم حاصل کی، کبیر والا ہی سے ۱۹۶۵ء میں دورۂ حدیث شریف کیا، پھر اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ کی خواہش پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے قائم کردہ جامعہ خیر المدارس سے دوسری مرتبہ دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ آپ نے اپنے زمانہ کے نامور اکابر علماء اور اہلِ علم وفضل شخصیات سے کسبِ فیض کیا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں ۱۹ رسال کی عمر میں دارالعلوم مدنیہ میں کتب کے ابتدائی درجہ میں تدریس کا آغاز کیا اور ۶۰ سال پڑھنے پڑھانے میں گزار دیے۔ آپ کی طلبہ پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ ہر طالب علم آپ کو اپنے باپ جیسا شفیق سمجھتا تھا۔ ابتدائی مدرس سے ناظم تعلیمات مقرر ہوئے، پھر شیخ الحدیث اور مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے زمانۂ اہتمام (۲۰۰۲ء تا ۲۰۲۵ء) میں دارالعلوم مدنیہ نے تعلیم وتعمیرات کی ترقی کے زینے طے کیے، اور جامعہ ملک کا ایک نامور دینی ادارہ بن گیا۔

آپ کا آخری وقت قابلِ رشک تھا، جمعرات کو اپنے جامعہ کی ختم بخاری کی تقریب میں عصر

سے قبل آخری سبق پڑھایا۔ شبِ جمعہ میں بیدار ہوکر تہجد ادا کی، اور فجر کی نماز باجماعت ادا کی، اس کے بعد کچھ مہمان آ گئے، آپ ان کے اکرام میں مشغول تھے کہ دل میں درد اُٹھا، فوراً ہسپتال لے جائے گئے اور وہیں آپ نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہا۔ اگلے روز بعد نمازِ عشاء حضرت مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ اپنے والد گرامی کے پہلو میں محوِ استراحت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی خدمات کو قبولیت عطا فرمائے، آمین!

حضرت مولانا اللہ بخش ملکانوی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کے شاگردِ رشید، جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے فاضل، جامعہ سراج العلوم لودھراں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا اللہ بخش ملکانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ / رجب ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۴ / جنوری ۲۰۲۵ء کو لودھراں میں انتقال کر گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطٰى وكل شيئ عندهٗ بأجل مسمّٰى!

آپ جنوبی پنجاب کے علاقہ کوٹ ادّو کی بستی ملکانہ نزد تونسہ بیراج میں پیدا ہوئے، مڈل تک تعلیم پانے کے بعد آپ کو نعت خوانی کا شوق ہوا تو گھر سے سفر پر نکل گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کا یہ سفر دینی تعلیم کے حصول کا ذریعہ بنا، پہلے دارالعلوم کبیر والا میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۹ء میں جامعہ رشیدیہ سے دورۂ حدیث کیا، تخصص کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی زیرنگرانی تخصص فی الفقہ مکمل کیا۔ آپ کے تخصص کا مقالہ ''فقہ السند''، یعنی فقہائے سندھ اور ان کی فقہی خدمات پر تھا، آپ نے اس پُرمغز مقالہ میں محمد بن قاسمؒ کی فتوحاتِ سندھ سے لے کر اپنے زمانہ تک کی تاریخِ سندھ کا انسائیکلوپیڈیا مرتب کر دیا۔

آپ نے تدریس کا آغاز جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا سے کیا، پھر جامعہ سراج العلوم عیدگاہ لودھراں کے صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ آپ نے سالہا سال یہاں کی مسندِ درس وتدریس سے علومِ نبوت کے دریا بہائے۔ بڑھاپے اور ذیابیطس کے مرض کے باعث کچھ عرصہ سے زیرِعلاج تھے۔ جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا منیر احمد منور نے لودھراں میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آبائی علاقہ کوٹ ادّو میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے، آمین!

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

مفتی عبدالستار حامد
رفیق مجلس دعوت وتحقیق، جامعہ

میرے والد محترم جناب عبدالسلام (لفافے والے) رحمۃ اللہ علیہ دنیا کی تقریباً سو بہاریں دیکھ کر مؤرخہ ۲۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۴ر دسمبر ۲۰۲۴ء منگل اور بدھ کی درمیانی شب سونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے. إنا لله وإنا إليه راجعون، اللّٰهم اغفر لهٗ وارحمه ، آمین

والد صاحب دہلی میں پیدا ہوئے۔ ہمارے دادا جی بہت پہلے میوات کے علاقہ گڑگاؤں سے دہلی میں آباد ہو چکے تھے۔ والد صاحبؒ کو دادا جی نے مدرسہ نظام الدین تبلیغی مرکز میں بانیِ تبلیغی جماعت حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے پاس داخل کروادیا۔ حضرت جیؒ کے گھر میں آنے جانے اور گھر کے چھوٹے موٹے کام کاج کرنے پر حضرت جیؒ سے اور اُن کی اہلیہ محترمہ سے بہت بہت دعائیں ملا کرتی تھیں۔ وہیں سے تبلیغی ذہن اور مزاج بن گیا تھا، وہیں سے حاجی عبدالوہاب صاحبؒ سے دوستی بھی ہوگئی جو اُن کی اخیر عمر تک باقی رہی۔ اندرون اور بیرون بہت سے تبلیغی اسفار کیے۔ اوکاڑہ شہر میں رہتے تھے اور وہاں تبلیغی کام شروع کرنے والے اور پرانے تبلیغی کام کرنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ حج وعمرہ کرنے اور دوسروں کو حج وعمرہ کی ترغیب وتربیت دینے کا بھی بہت شوق تھا، کئی حج وعمرے ادا کیے۔ جن لوگوں کا معلوم ہوتا کہ قرآن پاک نہیں پڑھنا آتا تو بڑی عمر میں اُن کو قرآن پاک کی تعلیم دینا شروع کردیتے۔ مسجدیں بنوانے اور مساجد ومدارس کے ساتھ تعاون میں بھی متحرک رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین

تقریباً ۱۰ر سالوں سے یہ ترتیب تھی کہ سردی کے دو تین مہینے گزارنے کراچی آجاتے تھے۔ اس مرتبہ بھی حسب معمول سردی کا موسم گزارنے کے لیے ۲۰ر نومبر کو کراچی آگئے تھے کہ اچانک ایک رات کو یہ جان گزار وجان گسل واقعہ والد صاحب کے انتقال کی شکل میں پیش آیا، إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والد مرحوم کی کامل ومکمل مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام ودرجات عطا فرمائے، ان کے زندگی بھر کے کارِ خیر کو ان کے لیے ذریعۂ نجات وذخیرۂ آخرت بنائے۔ ہماری والدہ صاحبہ اور ہم تمام پسماندگان ولواحقین کو صبرِ جمیل واجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

پندرہویں شعبان کے روزے کا تحقیقی جائزہ

ادارہ

سوال

❶-الف: خاص پندرہ شعبان کی تاریخ کی خصوصیت کے لحاظ سے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا مستحب ہے یا نہیں؟

ب: پندرہ شعبان کا خاص کرنا اور صرف اس دن کا روزہ رکھنا بدعت ہے یا نہیں؟

❷-الف: پندرہ شعبان کے روزے کا تذکرہ متقدمین فقہاء احناف نے کیا ہے؟

ب: متاخرین فقہاء احناف نے اس روزے کی تصریح کی ہے؟

ج: اس روزے کا تذکرہ علماء احناف میں سب سے پہلے کس نے کیا ہے؟

❸-الف: پندرہ شعبان کے روزے کے بارے میں جو احادیث ہیں، ان پر تفصیلی کلام درکار ہے۔

ب: کیا ابوبکر بن ابی سبرۃ ائمہ فنِ حدیث کے نزدیک بالاتفاق مجروح ہے؟

ج: شدید ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب

❶- مطلقاً شعبان کے روزوں کے استحباب میں کسی کا اختلاف نہیں؛ البتہ پندرہویں شعبان کے روزے کے متعلق کچھ اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اسے بدعت کہا ہے، لیکن صحیح رائے اور جمہور علماء دیوبند کے ہاں اس دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے، لہٰذا یہ روزہ نہ فرض ہے، نہ واجب ہے اور نہ ہی بدعت ہے، بلکہ مستحب ہے۔

❷- متقدمین احناف میں سے کسی کے ہاں اس روزے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر نہیں ملا، البتہ متأخرین فقہاء میں سے شیخ نظام صاحبِ ''فتاویٰ ہندیہ'' نے صومِ شعبان کو مطلقاً مندوبات میں ذکر کیا ہے، اسی طرح اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ میں اس روزے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ملتا ہے، اور اس کے رکھنے کی ترغیب

دیتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''صبح شب براءت کے دن کا روزہ اور شش عید کا روزہ بھی مستحب ہے۔'' (فتاویٰ عزیزی مکمل، ص:۵۰۲)

حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ جو ارشاد فرمایا کہ: ''صوموا نهارها'' تو یہ امر بھی استحبابی ہے، یعنی روزہ پندرہویں کا مستحب ہے، فرض و واجب نہیں، غرض ''قوموا ليلها'' سے اس رات کی فضیلت معلوم ہوگئی، اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں: (جس قسم کا نزول ان کی شان کے موافق ہو، ہمارے جیسا نزول مراد نہیں) اور فرماتے ہیں: ''هل من داع فأستجيب لهٗ؟ هل من مستغفر فاغفر لهٗ؟'' صبح تک یہی کیفیت رہتی ہے۔''

(خطبات حکیم الامت، ج:۷، ص:۴۹۶)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ فرماتے ہیں:

''شعبان کی پندرہویں کو روزہ رکھنے کا حکم حدیث میں موجود ہے۔'' (فتاویٰ محمودیہ، ج:۱۳، ص:۴۱۵)

اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

''شعبان میں کون سا روزہ ضروری ہے اور کب سے ممنوع؟

(سوال:۲۷۱) شعبان میں کس تاریخ کا روزہ فرض ہے یا مسنون ہے؟ نیز یہ روایت کہ اس ماہ میں سوائے ۱۳/ تاریخ کے اور روزہ رکھنا جائز یا ممنوع ہے، کہاں تک صحیح ہے؟

(جواب) ماہِ شعبان میں کسی تاریخ اور دن کا روزہ فرض اور واجب نہیں ہے اور تیرہ شعبان کے روزے کی کوئی خاص فضیلت حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، البتہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو اور پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرہویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے، اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے، فقط۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، ج:۶، ص:۳۰۹)

❸- پندرہویں شعبان کے روزے کے متعلق پورے ذخیرۂ حدیث میں صرف سنن ابن ماجہ (باب: ما جاء في ليلة النصف من شعبان) کی ایک مفصّل روایت ہے جو استحباب پر دلالت کرتی ہے، وہ یہ ہے:

''حدثنا الحسن بن علي الخلال، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا ابن أبي سبرة، عن إبراهيم بن محمد، عن معاوية بن عبد الله بن جعفر، عن أبيه عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا، حتى يطلع الفجر.'' (سنن ابن ماجة، ج:۲، ص: ۳۹۹، دار الرسالة العالمية)

یہ روایت ابوبکر ابن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ راوی کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے، ابوبکر بن ابی سبرہ راوی ائمہ فن کے نزدیک بالاتفاق مجروح ہے؛ البتہ بعض علماء نے اس کی شان میں تعریفی جملے بھی کہے ہیں، مگر وہ اصطلاحی تعدیل میں سے شمار نہیں ہوتے، لیکن اس روایت پر موضوع کا اطلاق درست نہیں؛ کیوں کہ محض کسی راوی پر کذّاب، یا وضّاع کے اتہام سے روایت موضوع نہیں ہوتی، البتہ ضعیف ہو جاتی ہے۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ: ''کسی کذّاب، یا وضّاع راوی کے تفرّد سے روایت موضوع نہیں ہو جاتی، جب تک کوئی اور خارجی قرینہ ساتھ نہ ہو۔'' ضعیف حدیث فضائل کے باب میں قبول ہوتی ہے اور استحباب بھی ثابت ہو سکتا ہے؛ چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ: ''ائمہ فنِ حدیث کے ہاں ضعیف حدیث کی سند میں تساہل برتنا، اور موضوع کو چھوڑ کر ضعیف حدیثوں کو روایت کرنا، اور ان پر عمل کرنا ان کا ضعف بیان کیے بغیر جائز ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام کی حدیثوں میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔'' اس وجہ سے بھی اس روایت کا موضوع میں شمار مناسب نہیں کہ جن علماء نے سنن ابن ماجہ کی موضوع حدیثوں کی نشاندہی کی ہے ان میں اس روایت کا ذکر نہیں ملتا، جیسے: ''ما تمس إليه الحاجة''، البتہ علامہ شوکانیؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب: ''فوائد مجموعہ'' میں ضعیف کے ضمن میں شمار کیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''المرغوبات من الصيام أنواع أولها صوم المحرم والثاني صوم رجب والثالث صوم شعبان وصوم عاشوراء، وهو اليوم العاشر من المحرم عند عامة العلماء والصحابة رضي الله تعالى عنهم.'' (كتاب الصوم، الباب الرابع، ج:١، ص:٢٠٢، المطبعة الكبرى، مصر)

''الكفاية في علم الرواية'' میں ہے:

''سمعت أحمد بن حنبل، يقول: إذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا في الأسانيد، وإذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكما ولا يرفعه تساهلنا في الأسانيد.''

(باب التشدد في أحاديث الأحكام، ص:١٣٤، دائرة المعارف العثمانية)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144508101663 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

شبِ براءت سے متعلق خرافات اور اُن کا حل

سوال

شبِ براءت سے متعلق خرافات اور اُن کا حل کیا ہے؟

جواب

شریعتِ اسلامیہ نے جن متبرک راتوں میں جاگنے اور عبادت کے ذریعے انھیں زندہ کرنے کی تعلیم دی ہے، ان میں شعبان کی پندرہویں رات بھی ہے، جسے شبِ براءت کہا جاتا ہے، ہمارے نبی ﷺ کے پاکیزہ زمانے سے لے کر صحابہ کرام، تابعین، تبعِ تابعین رضی اللہ عنہم تک ہر زمانے میں اس رات کی فضیلت سے فائدہ اُٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے اور اللہ کے نیک بندے ہر زمانے میں اس رات میں خصوصی عبادت کا اہتمام فرماتے رہے ہیں، اس موقع پر کرنے کے کام کیا ہیں؟ اور مسلمانوں کو کن کن امور سے دور رہنا چاہیے؟ یہاں مختصراً اُنہیں بیان کیا جاتا ہے:

❶ - طبعی نشاط وتحمل کے بقدر جاگ کر عبادت کرنا، مثلاً: نوافل، تلاوت، استغفار، دعا وغیرہ میں مشغولی اس دھیان کے ساتھ کہ صبح کی نماز متاثر نہ ہو؛ بلکہ عام دنوں کی طرح اس روز بھی فجر کی نماز کا اہتمام باجماعت ہو، شب کی نفلی عبادت کرنے کے بعد جسمانی تھکن کی وجہ سے اگر نماز قضا ہوگی یا جماعت فوت ہوجائے گی تو رات بھر کا بیدار رہنا بے کار ہوجائے گا۔

❷ - پندرہویں تاریخ میں روزہ رکھنا، اس کا ثبوت اگرچہ ایک ضعیف حدیث سے ہے؛ لیکن اس اعتبار سے کہ یہ تاریخ ایامِ بیض میں سے ہے اور ایامِ بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزوں کا استحباب صحیح احادیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ۱۳ اور ۱۴ شعبان کا بھی روزہ رکھے، نیز یکم شعبان سے لے کر ستائیس شعبان تک احادیث میں روزہ رکھنے کی فضیلت وارد ہے، اس لیے ان دو وجہوں کی بنا پر اگر پندرہ شعبان میں روزہ رکھا جائے گا تو یقیناً موجبِ ثواب ہوگا؛ لیکن اس روزہ میں نفلی روزہ ہونے کے پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے، نفلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رکھنا باعثِ ثواب ہے اور اس کے ترک پر کوئی گناہ نہیں۔

❸ - زندگی میں ایک آدھ مرتبہ اس شب میں قبرستان جاکر مرحومین کو ایصالِ ثواب کرنا، نبیِ کریم ﷺ سے بلا کسی کو بتائے ایک مرتبہ جنت البقیع میں تشریف لے جانا ثابت ہے؛ لہٰذا اتباعِ رسول کے جذبے سے کسی اہتمام اور پابندی کے بغیر اگر قبرستان چلے جائیں تو اجر کا باعث ہے، قبرستان جانے کو لازم نہ سمجھیں؛ اس کو شبِ براءت کے اعمال کا مستقل جزء نہ بنایا جائے کہ اگر قبرستان نہ گئے تو شبِ براءت ادھوری رہ جائے گی۔

شبِ براءت کے موقع پر یہ وہ امور ہیں جن کا ثبوت اسلامی تعلیمات سے ہے اور شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ اُن کو بجالانا اجر وثواب کا ذریعہ ہے، اسی طرح کچھ اور کام ہیں جن کا شریعت اور دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن لوگ اسے بڑے خوشی سے کرتے ہیں، اس موقع پر بعض ناواقف مسلمان آتش بازی کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور لاکھوں روپیہ اس پر خرچ کرتے ہیں، حالاں کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں بے شمار مفاسد ہیں۔

اسی طرح اس موقع پر مساجد اور گھروں میں غیر معمولی چراغاں کیا جاتا ہے، اس میں اگر اپنا مال ہے تو ایک اس میں اسراف ہے اور دوسرا کفار اور ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے جو از روئے شرع حرام اور ناجائز ہے اور اگر کسی دوسرے مسلمان کا مال اس میں شامل ہے تو اس میں خیانت کا گناہ بھی ہے۔

ایسے ہی حلوے کو شبِ براءت سے جوڑ دیا گیا؛ حالاں کہ حلوے کا شبِ براءت سے کوئی تعلق نہیں، پورا سال کبھی بھی حلوہ پکایا جائے، بُرا نہیں؛ لیکن خاص طور پر شبِ براءت میں حلوے کا اہتمام کرنے کا ثبوت نہ قرآن سے ہے، نہ کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے، نہ ہی کسی صحابیؓ یا بزرگِ دین کے عمل سے اس کا پتہ چلتا ہے؛ بلکہ یہ بھی ایک خود ساختہ رسم ہے جو ہمارے معاشرے میں جڑ پکڑتی جارہی ہے۔

لہٰذا علماء کو چاہیے کہ عوام میں آگاہی پھیلائیں اور اس کا آسان حل یہ ہے کہ امام مسجد اس بات کا اہتمام کرے کہ عوام کو دین کے اندر ہونے والی تمام بدعات سے آگاہ کرے اور انہیں ان بدعات سے دور رہنے کی ترغیب دے۔ اسی طرح عوام کو بھی چاہیے کہ علماء کی باتوں پر عمل کرے اور اپنے گھر والوں اور تعلق والوں کو بھی ان باتوں سے آگاہ کرے اور خود بھی ممکن حد تک ان خرافات سے بچے اور دوسروں کو بھی ان سے بچائے۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ہے:

''عن عائشةؓ، قالت: فقدت النبي - صلى الله عليه وسلم - ذات ليلة فخرجت أطلبه، فإذا هو بالبقيع، رافع رأسه إلى السماء، فقال: "يا عائشة، أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله؟ " قالت: قد قلت، وما بي ذلك، ولٰكني ظننت أنك أتيت بعض نسائك، فقال: "إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا، فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب.''(سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، رقم الحديث: ١٣٨٩، ج:٢، ص: ٣٩٩، ط: دار الرسالة العالمية، بيروت)

ایک اور جگہ ابن ماجہ میں ہے:

''عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا، حتى يطلع الفجر.''(سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، رقم الحديث: ١٣٨٨، ج:٢، ص: ٣٩٩، ط: دار الرسالة العالمية)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144508101072 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

جدید فکری مسائل (مکمل ۶ حصے/ جلدیں)

تالیف: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب۔ صفحات پہلا حصہ: ۶۷۶۔ صفحات دوسرا حصہ: ۵۹۶۔ صفحات تیسرا حصہ: ۴۲۰۔ صفحات چوتھا حصہ: ۴۴۴۔ صفحات پانچواں حصہ: ۵۲۰۔ صفحات چھٹا حصہ: ۵۹۲۔ عام قیمت مکمل سیٹ (۶ رجلدیں): ۶۹۰۰۔ ناشر و ملنے کا پتہ: زمزم پبلشرز، گوالی نمبر: ۳، دوکان نمبر: ۲، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ رابطہ نمبر: 0309-8204773

زیرِ تبصرہ کتاب چھ جلدوں اور ۳۲۴۸ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مجموعہ ہے، جس میں ہندوستان کے معروف عالم دین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہٗ کے تحریر کردہ وہ مضامین ہیں جو مختلف اخبارات مثلاً روزنامہ ''منصف- حیدرآباد دکن'' اور روزنامہ ''انقلاب- ممبئی'' اور دیگر ہندو پاک کے روزناموں اور ہفت روزوں میں تقریباً پچیس سال سے ''شمعِ فروزاں'' کے عنوان سے شائع ہوتے آرہے ہیں۔ یہ مضامین عام افراد کی استعداد اور ذہنی مستوی کو سامنے رکھ کر عام فہم، تذکیری اور دعوتی اُسلوب میں لکھے گئے ہیں، ساتھ ساتھ کہیں علمی دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ ان مضامین کے موضوعات متنوّع اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں، عقائد و افکار سے لے کر معاملات تک ہر قسم کے فکری اور عملی موضوعات ہیں۔ مضامین کے عنوانات بھی دلچسپ، انوکھے اور معاصر احوال کے مناسب ہیں۔ طرزِ بیان بھی اعلیٰ اور جاذب ہے۔ ان مضامین کو مختلف حضرات نے کافی محنت سے اخبارات سے تلاش کر کے جمع و ترتیب دیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی مکی، مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی، مفتی شاہد علی قاسمی، وغیرہ۔

ہم ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر ہر حصہ/ جلد کا خلاصہ یہاں نقل کر دیتے ہیں، جسے ہر جلد اور حصہ کے فرنٹ ٹائٹل پر بھی دیا گیا ہے:

پہلا حصہ: ''اسلام پر کیے جانے والے بے جا اعتراضات اور عالمِ اسلام پر مغرب کی یلغار کے

واقعات وغیرہ سے متعلق ان مدلل اور بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ جو ہفتہ وار کالم ''شمعِ فروزاں'' میں شائع ہوتا رہا ہے۔''

دوسرا حصہ: ''مسلم پرسنل لا، نیز ملی وقومی اور سیاسی مسائل سے متعلق ''شمعِ فروزاں'' کالم کے تحت شائع ہونے والے ہفتہ وار چشم کشا اور دلچسپ مضامین کا مجموعہ۔''

تیسرا حصہ: ''دعوتِ دین کی اہمیت، علماء کی ذمہ داری، اسلام دشمن فتنوں کا تعاقب، سیاست کے میدان میں مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل جیسے اہم موضوعات پر مختصر مگر دل ودماغ کو دستک دینے والے مضامین کا مجموعہ۔''

چوتھا حصہ: ''علماء کی ذمہ داریاں، تکفیر میں احتیاط، مسلمانوں کے لیے حفاظتِ خود اختیاری، سرمایہ کاری اور تجارت، ہمسایوں کے ساتھ تعلقات اور اس طرح کے دوسرے اہم موضوعات پر لکھے گئے ہفت روزہ کالم کے مضامین کا مجموعہ۔''

پانچواں حصہ: ''اتحادِ ملّت، سماجی برائیوں کا علاج، سود کی شناعت اور بعض اخلاقی مفاسد سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصر، جامع اور مؤثر مضامین۔''

چھٹا حصہ: ''دینی تعلیم، دینی مدارس، علماء کے فرائض، عصری تعلیم کی اہمیت اور طریقۂ کار، بچوں کی تربیت اور اساتذہ کی ذمہ داریاں، نیز اسلامی یادگار تاریخوں اور مہینوں سے متعلق سبق آموز پہلوؤں پر گفتگو۔''

ہمارے خیال میں یہ مجموعہ تمام علماء، عوام الناس اور مطالعہ کے شوقین حضرات کے لیے بالعموم اور مساجد کے ائمہ وخطباء، دعوتِ دین کے میدانوں میں مصروفِ عمل اور دینی جماعتوں اور تحریکوں سے منسلک حضرات کے لیے بالخصوص انتہائی مفید اور لائقِ استفادہ ہے، جس کے مطالعہ سے دینی دعوت اور دینی محنت میں مزید نکھار پیدا ہوگا، ان شاء اللہ۔

نیز زیرِ تبصرہ کتاب کا ناشر یعنی ادارہ ''زمزم پبلشرز'' مبارک باد اور تعریف وستائش کا مستحق ہے کہ ایسے مفید، نایاب اور دور دراز کے مواد اور لٹریچر کو مملکتِ خداداد پاکستان میں شائع کر کے قارئین کو علمی استفادہ کا موقع فراہم کرتا ہے، فجزاهم الله خيرا .

کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب، کاغذ متوسط، کمپوزنگ اور سیٹنگ بہترین، اور جلد بندی مضبوط ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....